الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

زندگی کا راز یہ ہے کہ ——————

آدمی اس حقیقت کو جان لے کہ ہر پھول کے ساتھ
ایک کانٹا ہوتا ہے اور ہر کانٹے کے ساتھ ایک پھول

جولائی ۱۹۸۳ ☐ قیمت فی پرچہ — تین روپے ☐ شمارہ ۸۰

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

جولائی ۱۹۸۳

شمارہ ۸۰

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دھلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

تعارفی سٹ

اسلام کے تعارف پر ہم نے پانچ کتابوں کا ایک سٹ تیار کیا ہے جو مدارس میں ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے بھی مفید ہے اور اسلام کے عمومی تعارف کے لئے بھی۔ یہ سٹ حسب ذیل ہے۔

۱۔ سچا راستہ	دو روپیہ
۲۔ دینی تعلیم	تین روپیہ
۳۔ حیات طیبہ	تین روپیہ
۴۔ باغ جنت	تین روپیہ
۵۔ نار جہنم	تین روپیہ

اس تعارفی سٹ کو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں شائع کرنے کے لئے جو لوگ کوئی تعاون کریں وہ انشاءاللہ خدا کے یہاں اس کا اجر پائیں گے۔

مکتبہ الرسالہ جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

زر تعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دوسو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

نکلی ہوئی جماعتیں

ایک ہپی دہلی کی سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ جسم پر سادہ کھردرے کپڑے، گلے میں مالا، ہاتھ میں کڑا اور کندھے پر ایک چھوٹی ڈھولک۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ کناڈا کا رہنے والا ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ کناڈا میں اس کے پاس ذاتی مکان، ذاتی کار، ایک اچھی بیوی اور عمدہ ملازمت تھی۔ اس کے بعد اس نے کہا: مگر یہاں میرا کوئی گھر نہیں۔ جہاں بھی نیند آتی ہے سو جاتا ہوں، چاہے وہ فٹ پاتھ کیوں نہ ہو۔ میرے پاس یہاں کوئی سواری نہیں۔ ملازمت نہیں۔ میری بیوی مجھ کو چھوڑ چکی ہے۔ "یہ جو بال اور داڑھی آپ بڑھی ہوئی دیکھ رہے ہیں، یہ صرف پچھلے چھ مہینہ کی پیداوار ہیں" یہ کہہ کر اس نے اپنے بیگ کے اندر سے اپنا پاسپورٹ نکالا۔ پاسپورٹ کی سابقہ تصویر میں وہ ایک خوبرو نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔

"پھر آپ نے کناڈا جیسے ملک کو چھوڑ کر انڈیا کو کیوں پسند کیا" اس کے جواب میں اس نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ رک رک کر یہ الفاظ کہے:

There I was comfortable physically.
Here I am comfortable spiritually

وہاں مجھ کو جسمانی سکون تھا، یہاں مجھ کو روحانی سکون ہے۔ (الجمعیۃ ویکلی ۱۰ جولائی ۱۹۷۰)

تبلیغی جماعت مسلمانوں میں دینی بیداری کا کام نہایت کامیابی کے ساتھ کر رہی ہے۔ اس کی کامیابی کا خاص راز وہ "تدبیر" ہے جو اس سلسلے میں اس نے اختیار کی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے ماحول سے نکال کر باہر لے جایا جائے۔ آدمی اپنے ماحول میں دنیوی مسائل میں مشغول رہتا ہے۔ اس کا ذہن دینی امور پر سوچنے کے لئے فارغ نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر باہر کی دنیا میں آجاتا ہے تو اس وقت اس کا ذہن اس قابل ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس سے کہا جائے اس کو سنے اور پکڑے۔

مغرب کے یہ ہپی گویا غیر مسلموں میں سے اسی قسم کے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ اپنے آپ نکلی ہوئی جماعتیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ غیر مسلموں کی ان نکلی ہوئی جماعتوں کو دین سکھانے کے لئے اسی طرح استعمال کیا جائے جس طرح تبلیغی جماعت مسلمانوں کو باہر نکال کر انہیں دین سکھانے کی مہم چلا رہی ہے۔

بڑی چھلانگ کب

امریکی خلاباز آرمسٹرانگ (Neil Armstrong) نے جولائی ۱۹۶۹ میں پہلی بار چاند پر قدم رکھا تھا۔ جب وہ اپنی خلائی مشین کے ساتھ چاند پر اترا تو امریکہ کے مشن کنٹرول کو اس کے یہ الفاظ موصول ہوئے: یہ ایک آدمی کے لئے ایک چھوٹا قدم ہے مگر انسانیت کے لئے وہ ایک عظیم چھلانگ ہے:

That's one small step for a man, one giant leap for mankind

آرمسٹرانگ اور اس کے دو ساتھی امریکہ کے ۳۰ بہترین خلابازوں میں سے چنے گئے تھے۔ ان کے اندر وہ خصوصیات امتیازی درجہ میں موجود تھیں جو اس مشکل تاریخی مہم کے لئے درکار تھیں ــــ پرواز میں غیر معمولی مہارت، ذہانت اور قوت، معلومات کو اخذ کرنے کی صلاحیت، برف کی طرح ٹھنڈا ہونے کے باوجود چیلنج کو بے خطر قبول کرنا۔ پھر ان کو شدید قسم کے تربیتی کورس سے گزرنا پڑا۔ مثلاً وہ دیر دیر تک گہرے پانی میں رہے تاکہ بے وزنی کی حالت کے عادی بن سکیں۔ انہوں نے بے شمار قسم کے ممکن ہنگامی حالات (Emergencies) کا تجربہ کیا۔ انہوں نے فلکیات، خلابازی، راکٹ کی پرواز کے کورس پڑھے۔ انہوں نے خلائی کمپیوٹر اور چاند کی طبیعیات کا مطالعہ کیا۔

ان کا ۳۱۰۰ ٹن کا اپالو ۱۱ ایک عظیم دیو معلوم ہوتا تھا۔ وہ ۳۶ منزلہ عمارت کے برابر اونچا تھا۔ اس کے اندر آٹھ ملین پرزے تھے اور ۹۱ انجن نصب تھے۔ سب سے اوپر وہ چھوٹی سی مشین (Columbia) تھی جس کے اندر خلابازوں کو بیٹھ کر اپنا سفر طے کرنا تھا۔

خلائی مشین نے اوپر بلند ہو کر ڈھائی گھنٹہ زمین کا چکر لگایا۔ اس کے بعد اس کی رفتار ۴۰۲ میل فی منٹ ہو گئی۔ ۳۰۰۰ میل کی بلندی پر پہنچ کر کولمبیا الگ ہو گئی۔ اس مشین کا نیچے اوپر تک تمام حصہ پرزوں سے بھرا ہوا تھا۔ خلابازوں کے بیٹھنے کے لئے مشکل سے اتنی جگہ تھی جتنی ایک ٹیکسی میں ہوتی ہے۔ بالآخر خلاباز چاند پر اترے۔ وہاں سے ۴۶ پونڈ مٹی لی۔ انہوں نے چاند کی سطح پر پانچ لاکھ پونڈ کے آلات چھوڑے۔ چاند کی سطح پر انہوں نے دوسری چیزوں کے ساتھ اپنے قدموں کا نشان بھی چھوڑا جو وہاں تقریباً نصف ملین سال تک باقی رہے گا۔

اتنی زیادہ تیاریوں کے بعد وہ چھوٹا قدم اٹھایا جا سکا جس کا نتیجہ ایک بڑی چھلانگ ہو۔

اعلیٰ ظرفی

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید مرحوم کا ایک واقعہ (الافاضات الیومیہ، جلد ۱) ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ایک انگریزی تعلیم یافتہ شخص ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھا۔ کیا سوجھی کہ ایک بڑے انگریز افسر کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں سرسید کا داماد ہوں مجھ کو ملازمت کی ضرورت ہے۔ وہ انگریز بہت ہی خاطر سے پیش آیا اور کہا کہ آپ ٹھہریں۔ اس کو ٹھہرا کر اس کی لاعلمی میں ایک تار سرسید کو دیا کہ فلاں شخص اس نام کا ہمارے پاس ملازمت کے خیال سے آیا ہے اور اپنے آپ کو آپ کا داماد کہتا ہے کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

جواب میں سرسید نے اس انگریز کو لکھا بالکل صحیح ہے۔ ضرور آپ ملازمت کے لئے کوشش فرمادیں میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ اس شخص کو ملازمت مل گئی۔

ایک روز اتفاقاً اس انگریز نے اس شخص سے یہ واقعہ (سرسید سے تحقیق حال کا) بیان کر دیا۔ یہ بہت ہی شرمندہ ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص علی گڑھ آیا۔ اور سرسید سے مل کر معافی کی درخواست کی اور کہا کہ میں وہی ہوں جس نے اپنے آپ کو آپ کا داماد بتا کر ملازمت لی ہے۔ یہ گستاخی بضرورت تھی۔

سرسید نے جواب میں کہا کہ گو یہ بات اس وقت غلط تھی۔ مگر اب صحیح ہو جائے گی، داماد کہتے ہیں بیٹی کے شوہر کو۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ میری بیٹی آپ کی بیوی ہوتی سو یہ تو نہیں ہو سکتا مگر دوسری صورت ممکن ہے وہ یہ کہ آپ کی بیوی کو میں اپنی بیٹی بنالوں سو میں آپ کی بیوی کو اپنی بیٹی بناتا ہوں اور وہ میری بیٹی اور میں اس کا باپ!

یہ توجیہہ وقتی ہی نہ تھی۔ بلکہ تازندگی باپ بیٹی اور داماد کا سا برتاؤ رکھا۔ بلانا، لینا دینا سب اسی طرح رکھا۔ (تہذیب الاخلاق علی گڑھ)

ساری دنیا کا ہمدرد بننا بہت آسان ہے۔ مگر قوم کا ایک مصیبت زدہ فرد، جس سے ٹھیس بھی پہنچی ہو، اس کے معاملہ کو اپنا معاملہ بنالینا سخت مشکل ہے۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو قوم کا سچا خیر خواہ ہو اور اسی کے ساتھ بڑے دل والا بھی۔

روزہ کے بارہ میں

آل انڈیا ریڈیو (نئی دہلی) نے ۱۹ اگست ۱۹۷۸ کی شام کو ساڑھے نو بجے ایک پروگرام رکھا۔ اس کا عنوان تھا "روزہ کیا ہے"۔ یہ آدھ گھنٹہ کی ایک ریڈیائی بات چیت تھی جس میں تین مذاہب کے نمائندوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق روزہ کے تصورات بیان کریں۔

راقم الحروف نے اسلام کی نمائندگی کی۔ بقیہ دو صاحبان حسب ذیل تھے:

پنڈت سچیدانند شاستری (ہندو دھرم)

آرک بشپ ناصر (عیسائیت)

راقم الحروف کو اس ریڈیائی بات چیت کا کوآرڈینیٹر بنایا گیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب کی روشنی میں بتایا کہ اس کے نزدیک روزہ کیا ہے اور وہ اس کے مذہب میں کس لئے اور کس شکل میں فرض کیا گیا ہے۔

روزہ، جس کو عربی میں صوم، ہندی میں برت اور انگریزی میں فاسٹنگ کہتے ہیں، ہر مذہب میں کسی نہ کسی طور پر پایا گیا ہے۔ اگرچہ اس کی مدت اور اس کی شکل میں ایک مذہب اور دوسرے مذہب کے درمیان اختلاف ہے مگر وہ ایک یا دوسری صورت میں ہر جگہ موجود ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ نفس کو کنٹرول میں لانے کی تربیت ہے اور نفس پر کنٹرول (یا نفس کشی) کو ہر مذہب میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مذہب جس قسم کے انسان بنانا چاہتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کا نفس اس کی عقل کے قبضہ میں ہو اور روزہ آدمی کو اسی کے لئے تیار کرتا ہے۔

آدمی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ جسم اور روح۔ جسم مادی اور کثیف ہے۔ روح غیر مادی اور لطیف۔ اگر ہم جسم کی ہر خواہش کو بے روک ٹوک پورا کرتے رہیں تو جسم زور آور بن جائے گا اور وہ روح کے اوپر غالب آجائے گا۔ روزہ اسی آزادی پر پابندی لگانے کا دوسرا نام ہے۔ روزہ آدمی کے جسم کو ایک حد کے اندر رکھ کر آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ اس کی روح اس کے جسم کے

اوپر حکمرانی کرے۔ اس کا لطیف وجود اس کے کثیف وجود کو اپنے قبضہ میں رکھے۔

دونوں صاحبان نے اسی بات کو اپنے اپنے انداز اور اپنے اپنے لفظوں میں بیان کیا۔

راقم الحروف نے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ روزہ محض اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے مطلوب نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ آدمی صبح سے شام تک کھانا پینا بند رکھے تو بس اس کا روزہ ہوگیا۔ روزہ کی یہ ظاہری صورت دراصل ایک علامت ہے اور اس کے ذریعہ ایک خاص روحانی اور اخلاقی سبق دینا مقصود ہے۔

وہ سبق یہ ہے کہ دنیا میں آدمی کو چاہیئے کہ وہ صحیح اور غلط اور جائز اور ناجائز میں فرق کرے۔ وہ صحیح اور جائز کو لے لے اور غلط اور ناجائز سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہی وہ چیز ہے جو اس کی آخرت میں آنے والی مستقل زندگی کو کامیاب بناتی ہے۔

یہ روزہ دراصل زندگی کا ایک گہرا اصول ہے۔ دنیا میں ایک تاجر اپنے کو فضول خرچی سے بچاتا ہے۔ ایک طالب علم اپنے اوقات کو بیکار ضائع کرنے سے بچاتا ہے۔ ایک مزدور اپنے آپ کو کاہلی اور بددیانتی سے بچاتا ہے۔ اس طرح بچ بچاؤ کی زندگی گزارنے ہی کا نام موجودہ دنیا کی کامیابی ہے۔ کاہلی، فضول خرچی، عیاشی، ضیاع وقت سے آدمی اپنے آپ کو نہ بچائے تو وہ کسی طرح امتحان کی اس دنیا میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔

ایسا ہی کچھ معاملہ آخرت کا بھی ہے۔ اسلام کے نزدیک آخرت کی کامیابی کا راز "روزہ دار زندگی" ہے۔ آدمی کو اپنی اگلی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے یہ کرنا ہے کہ وہ موت سے پہلے والی زندگی میں متقیانہ روش اختیار کرے۔ وہ کچھ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔

آخرت کو برباد کرنے والی چیزوں سے بچنا اور ان کو چھوڑ کر حلال دائرہ میں زندگی گزارنا، یہی وہ سبق ہے جس کو دینے کے لئے روزہ فرض کیا گیا ہے۔

پھر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو شخص دن بھر روزہ رکھتا ہے، اس کو شام کے وقت کھانے کی لذت ملتی ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا میں خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے گا وہی آخرت میں زندگی کی حقیقی لذتوں کو پائے گا ـــــــ دن کا روزہ اگر موجودہ دنیا کی مشقتوں کی علامت ہے تو شام کا کھانا آخرت کی راحتوں کی علامت۔

اسلامی کردار

خدا سب سے بڑا ہے ۔ وہ سب سے زیادہ کامل ہستی ہے ۔ آدمی جب ایسے خدا کو پاتا ہے تو خدا کی خدائی اور اس کے مقابلہ میں اپنی بندگی کا احساس اس کی نفسیات کو بالکل بدل دیتا ہے ۔ اس کی اس نفسیات کا اظہار اس کی روزمرہ کی زندگی میں بھی ہوتا ہے اور اس کی دینی سرگرمیوں میں بھی ۔

ایسا آدمی بالکل فطری طور پر تواضع اور انکسار کا نمونہ ہوتا ہے ۔ اس کی باتوں میں مٹھاس اور اس کے عمل میں نرمی پائی جاتی ہے ۔ اس سے کسی کو شر کا اندیشہ نہیں ہوتا ۔ ہر ایک کو اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ انصاف کے حدود کا پابند رہے گا اور اپنے لئے اس چیز کا مطالبہ کرے گا جو فی الواقع اس کا اپنا ہے ۔ وہ ہر ایک کو اس کا حق ادا کرتا ہے اور برائی کا جواب بھلائی سے دینے کی کوشش کرتا ہے ۔

اس کا احساس اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی کمزوری کا فوراً اعتراف کرلے ۔ وہ حسد اور گھمنڈ سے خالی ہوتا ہے ۔ کسی کی خوبی کا اعتراف کرنے میں اس کا دل تنگ نہیں ہوتا ۔ اس کی خوشی اس میں ہوتی ہے کہ کسی کے اندر عیب دیکھے تو اس کو چھپالے ۔ کسی سے قصور ہو جائے تو اس کے قصور کو معاف کر دے ۔ اس کی ذات کو کسی سے دکھ پہنچے تو اس کے اندر انتقام کی آگ نہیں بھڑکتی ۔ وہ دوسروں کے کام آکر خوش ہوتا ہے ۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے نہ کہ اپنی غرض پوری کرنے کے لئے ۔ وہ تعریف و تنقید سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مشغول رہتا ہے ۔

ایسا آدمی جب خدا کے لئے اٹھتا ہے تو اس کے مدعوئین کو اس کی طرف سے خدائی اخلاقیات کا تجربہ ہوتا ہے ۔ وہ لوگوں سے معاملہ کرنے میں عالی ظرف اور فراخ حوصلہ ہوتا ہے ۔ وہ ہر حال میں لوگوں کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوتا ہے ۔ وہ شریف اور بردبار ہوتا ہے وہ خدا پر بھروسہ کرنے والا ہوتا ہے اور جو کچھ ملے اس پر قناعت کرنے والا ۔ وہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان حق اور ناحق کی بنیاد پر فرق کرتا ہے نہ کہ اس بنیاد پر کہ کون اس کا اپنا ہے اور کون اس کا اپنا نہیں ۔

ساٹھ کیلو میٹر

جابر حسین ایک ریلوے گارڈ تھے۔ ان کی ملازمت کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ ۱۷ جولائی ۱۹۸۱ کو وہ اندور۔ بلاسپور ایکسپریس لے کر روانہ ہوئے۔ یہ گارڈ کی حیثیت سے ان کا آخری سفر تھا۔ کیونکہ اگلے دن ۱۸ جولائی سے وہ ریٹائر ہونے والے تھے۔ ریٹائر منٹ کے بعد انہوں نے اپنی زندگی کا پورا نقشہ بنا رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ اپنے اس نقشہ کو زیر عمل لانے کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ ریلوے گارڈ کی حیثیت سے اپنی ڈیوٹی کے آخری سفر پر روانہ ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا " کل سے میری دوسری زندگی شروع ہو گی "

یہ سفر جابر حسین کے لئے واقعی آخری سفر تھا اور اس کے بعد ہی ان کی دوسری زندگی شروع ہو گئی۔ مگر اس معنی میں نہیں جس میں کہ انہوں نے سمجھا تھا بلکہ کسی اور معنی میں۔ ان کی ایکسپرس ٹرین اپنی منزل سے ساٹھ کیلو میٹر کے فاصلہ پر تھی کہ پیچھے سے آنے والی ایک مال گاڑی ان کی ٹرین سے ٹکرا گئی۔ گارڈ کا ڈبہ چکنا چور ہو گیا۔ جابر حسین فوراً ہلاک ہو گئے۔ ایک ریلوے افسر نے اس حادثہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

Sixty kilometres more and it would have been the end of his official journey.

جابر حسین نے اگر ۶۰ کیلو میٹر اور طے کر لیا ہوتا تو ریلوے ملازم کی حیثیت سے ان کا سفر پورا ہو جاتا (انڈین ایکسپریس ۱۸ جولائی ۱۹۸۱)

یہی اس دنیا میں ہر آدمی کا حال ہے۔ ہر آدمی اپنی زندگی کو لمبی تصور کئے ہوئے ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا سفر "۶۰ کیلو میٹر" کے بعد پورا ہو گا۔ مگر موت کا فرشتہ اس کو ۶۰ کیلو میٹر سے پہلے ہی پکڑ لیتا ہے۔ ہر آدمی موجودہ دنیا میں "اپنی کل" کی تعمیر کا ایک نقشہ لئے ہوئے ہے۔ مگر اچانک موت آکر اس کو بتاتی ہے کہ اس کی "کل" اس دنیا میں شروع نہیں ہوتی جہاں ۱۷ جولائی کے بعد ۱۸ جولائی اور ۱۸ جولائی کے بعد ۱۹ جولائی کی تاریخیں آتی ہیں۔ بلکہ اس کی کل اس ابدی دنیا میں شروع ہوتی ہے جہاں دنیا کے کیلنڈر لپیٹ کر رکھ دئے جاتے ہیں۔ آدمی جہاں اپنے سفر کو ختم سمجھ رہا ہے وہیں سے اس کے حقیقی سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

نگاہ کا فرق

ابوالدردار رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سے ایک گاڑی گزری جس میں دو جانور جتے ہوئے تھے۔ ایک جانور چلتے چلتے بیٹھ گیا۔ تو مالک نے اس کو کوڑا مارا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوالدردار کی زبان سے نکلا: ان فیہما لمعتبرا (اس میں بھی عبرت ہے) یعنی جس جانور نے اپنی ذمہ داری پوری کی وہ بچ گیا اور جس جانور نے کوتاہی کی اس پر مالک کا ڈنڈا پڑا۔

حضرت ابوالدردار اس موقع پر اور بہت سی باتیں کہہ سکتے تھے۔ مثلاً وہ مالک سے کہتے کہ تم نے کیسا برا جانور خریدا ہے۔ اچھا جانور لو جو دوسرے والے کے جوڑ کا ہو لیکن یہ چیزوں کو دنیا کی نظر سے دیکھنا ہے۔ مگر مومن ہر چیز کو آخرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کو ہر واقعہ میں آخرت کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ آج کی دنیا کی چیزوں میں بھی کل کی دنیا کی تصویر دیکھ لیتا ہے۔

آجکل پریس کا زمانہ ہے۔ ہر آدمی اپنے "تاثرات و مشاہدات" چھاپ رہا ہے۔ مگر غور سے دیکھئے تو کسی کے تاثرات و مشاہدات میں آخرت کی جھلکیاں نظر نہیں آتیں۔ کوئی تمدن کی شان و شوکت بیان کر رہا ہے۔ کوئی اپنے دعوت اور استقبال کے قصوں کو دہرا رہا ہے۔ کوئی انسانوں کی عظمت کی کہانیاں سنا رہا ہے۔ کسی کے "تاثرات و مشاہدات" میں یہ نہیں ملتا کہ کسی موقع پر آگ کی چنگاری میں اس نے جہنم کا مشاہدہ کر لیا ہو۔ کہیں پھولوں کی رعنائی میں اس کو جنت کی جھلک دکھائی دی ہو۔ کہیں کسی دار و گیر کو دیکھ کر اس کو آخرت کے حساب و کتاب کی یاد آگئی ہو۔

اس قسم کے تمام تاثرات و مشاہدات غفلت کے تاثرات و مشاہدات ہیں۔ یہ چیزوں کو غیر مومن کی آنکھ سے دیکھنا اور غیر مومن کے کان سے سننا ہے۔ یہ غیر مومن قلب سے واقعات کا ردعمل پیش کرنا ہے۔ اور جو شخص قلب و نظر کے اعتبار سے غیر ایمانی مقام پر ہو وہ ظاہری عملیات کی بنا پر خدا کے یہاں ایمانی مقام پر کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ یہ ظاہری عملیات مقدار میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

موت کے آگے

فرانس کے لوئی یازدہم (۱۴۲۳-۱۴۸۳) نے ساٹھ سال تک بادشاہ کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ آخر عمر میں وہ ایک بند قلعہ میں رہنے لگا جہاں بہت کم لوگوں کو داخلہ کی اجازت تھی۔ قلعہ کے چاروں طرف گہری خندق کھود دی گئی تھی تاکہ کوئی اس کے قریب نہ پہنچ سکے۔ قلعہ کی دیواروں پر ہر وقت چالیس تیر انداز بیٹھے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ چالیس گھوڑسوار دن رات اس کے چاروں طرف گشت کرتے رہتے تھے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ جو بھی بلا اجازت قلعہ کے اندر آنے کی کوشش کرے اس کو پکڑ کر اسی وقت قتل کر دیا جائے۔ قلعہ کے اندر بادشاہ کے لئے ہر قسم کا عیش وعشرت کا سامان مہیا کیا گیا تھا تاکہ بادشاہ کا دل کبھی غمگین نہ ہونے پائے۔

لوئی یازدہم کو زندہ رہنے کا اتنا شوق تھا کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ موت کا لفظ اس کے سامنے ہرگز نہ بولا جائے۔ ایک ماہر ڈاکٹر ہر آن بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس ڈاکٹر کو دس ہزار سنہری کراون ماہوار دئے جاتے تھے۔ اس وقت یورپ کے کسی میدان جنگ میں چالیس سال کام کرکے بھی ایک فوجی افسر اتنی تنخواہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

تاہم ان میں سے کوئی چیز بادشاہ کو بڑھاپے اور کمزوری سے نہ بچا سکی۔ آخر عمر میں وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ مشکل سے وہ کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر اپنے منھ میں ڈال سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس کی جینے کی خواہش وہم کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اس کو کسی نے بتایا کہ کچھوے پانچ سو سال تک جیتے ہیں اور وہ زندگی بخش خواص کے مالک ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نے کچھ لوگوں کو تین بحری جہاز دیکر جرمنی اور اٹلی روانہ کیا تاکہ وہاں سے اس کے لئے بحری کچھوے لے آئیں۔ یہ کچھوے اس کے قریب ایک بڑے حوض میں رکھے گئے تاکہ اس کو زندگی کا فیضان عطا کر سکیں۔

آخر کار لوئی پر فالج کا حملہ ہوا اور ۳۰ اگست ۱۴۸۳ کو موت نے اس پر قابو پا لیا۔ بالآخر اس کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص موت کو نہیں جیت سکتا۔ اس کی زبان سے جو آخری الفاظ مرنے سے پہلے نکلے وہ یہ تھے:

میں اتنا بیمار تو نہیں ہوں جتنا آپ لوگ خیال کرتے ہیں۔

تاہم اس کی تمام کوششیں بے کار ہو گئیں۔ ۳۰ اگست ۱۴۸۳ کو وہ مر گیا۔ آخر کار بادشاہ فرانس کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص موت کو جیت نہیں سکتا۔

جھوٹا سجدہ

فرشتے اور ابلیس دونوں خدا کی مخلوق ہیں۔ دونوں خدا کو سجدہ کر رہے تھے۔ مگر خدا نے جب آدم کو پیدا کیا اور دونوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو فرشتے فوراً جھک گئے مگر ابلیس نے جھکنے سے انکار کر دیا۔ یہ سجدۂ آدم کی صورت میں خود سجدۂ خداوندی کا امتحان تھا۔ فرشتے حکم خداوندی کی تعمیل میں آدم کے آگے جھکے اس لئے وہ خدا کے آگے جھکنے والے قرار پائے۔ ابلیس حکم خداوندی کے باوجود آدم کے سامنے نہ جھکا اس لئے وہ خدا کا ساجد ہونے کے باوجود خدا کا سرکش ٹھہرا اور ابدی طور پر جہنم کا مستحق ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ امتحان کی دنیا میں خدا کے آگے جھکنے کی جانچ انسان کے آگے جھکنے کی صورت میں ہو رہی ہے۔ وہ سجدہ جھوٹا سجدہ ہے جبکہ آدمی خدا کے آگے سجدہ کرتا ہوا دکھائی دے اور جب انسان سے معاملہ پڑے تو وہ سرکشی کرنے لگے۔ وہ خدا کے سامنے خدا والا ہو اور بندوں کے سامنے بے خدا والا۔

جس خدا نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ میرے آگے جھکو، اسی خدا کا یہ حکم بھی ہے کہ دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرو۔ کسی انسان کی طرف سے کوئی سچی بات پیش کی جائے تو اس کو مان لو۔ کسی سے شکایت پیدا ہو تو اس کو معاف کر دو۔ کسی کی امانت تمہارے پاس ہو تو اس کو ادا کر دو۔ کسی کے معاملہ میں تمہارے اوپر کوئی اخلاقی ذمہ داری آتی ہو تو اس کو پورا کرو۔ کسی سے تم کم ہو تو اس کے خلاف حسد نہ کرو۔ کسی سے تم بڑے ہو تو اس کے مقابلہ میں گھمنڈ نہ کرو۔ اس قسم کی تمام صورتیں گویا انسان کے سامنے جھکنے کی صورتیں ہیں۔ ہر آدمی کا فرض ہے کہ جس طرح وہ خدا کے آگے جھکا ہے، اسی طرح وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں اس کے بندوں کے آگے بھی جھک جائے۔

جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ خدا کے آگے جھکے مگر اسی خدا کے حکم کے باوجود انسان کے سامنے اکڑ دکھائے۔ وہ خدا کے آگے سجدہ کرے مگر اسی خدا کی خاطر انسان کے سامنے جھکنے پر راضی نہ ہو۔ وہ خدا کا پرستار بنا ہوا ہو مگر اسی خدا کے لئے وہ ایک انسان کے منہ سے ظاہر ہونے والے حق کا اعتراف نہ کرے۔ وہ بظاہر خدا والا نظر آتا ہو مگر انسان کے

ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنے کو خدا والا ثابت نہ کر سکے ـــــــ ایسے آدمی کی عبادت جھوٹی عبادت ہے۔ اس آدمی کا سجدہ جھوٹا سجدہ ہے جو خدا کے سامنے سجدہ کرتا ہوا دکھائی دے مگر جب انسان سے معاملہ پڑے تو اسی خدا کے حکم کے باوجود وہ اس سے اکڑنے لگے، اسی خدا کے حکم کے باوجود اس سے سرکشی کا طریقہ اختیار کرے۔

مسجد کا رکوع اور سجدہ اس بات کا ایک اظہار ہے کہ آدمی نے اپنے آپ کو خدا کی تابعداری میں دیدیا ہے۔ یہ تابعداری تقسیم نہیں ہوسکتی۔ وہ معاملہ کے وقت بھی اسی طرح ظاہر ہوگی جس طرح وہ نماز کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا آدمی انسانی تعلقات میں بھی اسی طرح خدا والا نظر آئے گا جس طرح وہ مسجد کی عبادت میں خدا والا نظر آتا ہے۔

لوگ سجدہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کے حکم کی بنا پر اس کے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔ مگر جب یہ دیکھا جائے کہ جس خدا کے آگے وہ سجدہ کر رہے ہیں اسی خدا کے حکم کے باوجود انسانوں کے سامنے نہیں جھکتے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سجدہ شعور عبدیت کے تحت نہ تھا بلکہ کسی اور وجہ سے تھا۔ اگر شعور عبدیت اس سجدہ کا سبب ہوتا تو وہی شعور عبدیت اس کا محرک کیوں نہ بنتا کہ وہ بندوں کے معاملہ میں خدا کے حکم کو تسلیم کرلیں۔

سجدہ، اپنی حقیقت کے اعتبار سے، خدا کے حکم کے آگے جھکنے کا نام ہے نہ کہ محض سر کو زمین پر رکھ دینے کا۔ اگر زمین پر سر رکھنے کا نام سجدہ ہو تو مدینہ کے تمام منافقین روزانہ اپنا سر زمین پر رکھتے تھے۔ پھر بھی وہ خدا کی نظر میں غیر ساجد قرار پائے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اگرچہ مخصوص اوقات میں اپنا سر زمین پر رکھتے تھے مگر زندگی کے معاملات میں جب خدا کا کوئی حکم ان کی خواہشات سے ٹکراتا تھا تو وہاں وہ خدا کے حکم کے آگے جھکنے پر راضی نہ ہوتے تھے۔

انسان کی قلبی کیفیات ناقابل تقسیم ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک جگہ وہ کچھ ہو اور دوسری جگہ کچھ۔ ایک آدمی اگر مسجد کے اندر جھکنے کا مظاہرہ کرے اور مسجد کے باہر کے معاملات میں وہ اکڑ والا بن جائے تو کہا جائے گا کہ اس کا مسجد کا جھکاؤ محض رسمی اور تقلیدی تھا۔ اس کی اصل شخصیت وہی ہے جو مسجد کے باہر نظر آرہی ہے۔ ایسی حالت میں خدا کے یہاں وہ سجدہ نہ کرنے والا شمار ہوگا نہ کہ سجدہ کرنے والا۔

ارتقاء

موجودہ زمانہ کے علمائے حیاتیات عام طور پر نظریہ ارتقاء کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ارتقاء محض ایک نظریہ نہیں، وہ ایک مسلمہ سائنسی حقیقت ہے۔ مگر جہاں تک دلیل کا تعلق ہے یہ دعویٰ ابھی تک ثابت نہ کیا جا سکا۔

نظریہ ارتقاء کے حق میں تین قسم کی دلیلیں دی جاتی ہیں۔

۱۔ ماں کے پیٹ میں انسان کا جنین مچھلی، چھپکلی، سور اور بندر کے جیسی صورتوں سے گزر کر انسان کی صورت تک پہنچتا ہے۔ ارتقاء پسند علماء کے نزدیک یہ مشاہدہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان اپنی تاریخ کے پچھلے دور میں انہیں جانوروں جیسا تھا۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق ماں کا پیٹ نو مہینوں میں انسان کی اس طویل حیاتیاتی تاریخ کو دہراتا ہے جو پیٹ کے باہر اربوں سال کے اندر وقوع میں آئی تھی۔

۲۔ جانوروں اور انسان کے ڈھانچہ میں ایک ارتقائی مشابہت پائی جاتی ہے۔ مچھلی سے لیکر انسان تک جانوروں کی جو مختلف قسمیں ہیں، ان کی ہڈیوں کے ڈھانچہ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بنیادی یکسانیت کے ساتھ ایک ارتقائی نسبت ہے۔ اوپر کی سطح کے جانور نچلی سطح کے جانور کی ارتقاء یافتہ صورتیں معلوم ہوتے ہیں۔ حتی کہ انسان تک پہنچ کر یہ عمل ارتقاء اپنی کامل صورت اختیار کر لیتا ہے۔

چٹانوں کی تہوں میں قدیم جانداروں کی ہڈیاں متحجر حالت (Fossilised State) میں پائی گئی ہے۔ چٹانوں کا کیمیائی مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کی تہیں ایک کے بعد ایک مختلف زمانوں میں بنی ہیں۔ اس طرح یہ چٹانی تہیں گویا کتاب فطرت کے اوراق ہیں جو ماضی بعید کی داستان ہم کو بتاتے ہیں۔ چٹانوں کی مختلف تہوں میں متحجر ہڈیوں کے مطالعہ سے دریافت ہوا ہے کہ زمین کے اوپر جانداروں کی جو قسمیں پائی جاتی ہیں، وہ سب کی سب اول روز سے موجود نہ تھیں۔ بلکہ ان کے ظہور میں ایک ارتقائی ترتیب ہے۔ قدیم ترین تہوں میں مچھلی کی قسم کے جانوروں کی متحجر ہڈیاں ملتی ہیں، پھر چھپکلی کی قسم کے جانور، پھر دودھ پلانے والے جانور، پھر بندر، اور آخر میں انسان۔

جواب

یہ مشاہدات جن کے اوپر ارتقاء کی استدلالی بنیاد قائم کی گئی ہے ، وہ بجائے خود واقعہ ہوسکتی ہے ۔ مگر خالص علمی اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کا کوئی بھی تعلق ارتقاء کے مفروضہ سے نہیں ہے ۔ ان کے ذریعہ اس نظریہ کے حق میں دلیل قائم نہیں ہوتی ۔

یہ بات بجائے خود ایک واقعہ ہے کہ انسان کے بچہ کا مشاہدہ جب ماں کے پیٹ میں کیا جاتا ہے تو ابتدائی ایام میں اس کے اور جانور کے بچہ میں بہت کم ظاہری فرق ہوتا ہے ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مچھلی اور چوپائے کی شکلوں سے گزر کر انسان کی صورت اختیار کر رہا ہے ۔ مگر صرف اس مشاہدہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قدرت پانچ سوملین سال کے عمل کو نو مہینوں میں دہراتی ہے ، جس قدرت کو اس سے پہلے ایک انسان بنانے میں پانچ سوملین سال لگ گئے ، وہ اب صرف نو مہینوں میں کروروں انسان کس طرح بنا رہی ہے ۔ اور اگر قدرت کے عمل کو مختصر کرنا ممکن ہے تو ایک عالم حیاتیات کے لیے یہ ممکن ہونا چاہئے کہ وہ ایک مچھلی کا انڈہ لے اور اس کو اپنی لیبورٹری میں رکھ کر نو مہینے یا نو سال کے اندر اس کو انسان کی صورت میں تبدیل کر دے ۔ جب کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بالکل ناممکن ہے ۔

اس نظریہ کے بے بنیاد ہونے کی اس سے بھی زیادہ بڑی دلیل یہ ہے کہ فرد کی تمام خصوصیات اول روز ہی سے جین میں موجود ہوتی ہیں ۔ بڑا ہو کر آدمی جن اوصاف کا حامل ہوتا ہے ، وہ سب اس کے اولین ڈھانچہ میں مکمل طور پر موجود رہتا ہے ۔ اس کا قد ، اس کا رنگ ، اس کا مزاج ، اس کی ذہانت ، سب کچھ اول دن ہی سے اس کے اندر پایا جاتا ہے ۔ بالفاظ دیگر ، انسان کا بچہ پہلے دن سے انسان کا بچہ ہوتا ہے ، وہ کسی لمحہ بھی مچھلی یا چھپکلی کا بچہ نہیں ہوتا ۔ ایسی حالت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ماں کے پیٹ کے ابتدائی ہفتوں میں اور ہمارے مشاہدے کے پیمانہ میں وہ کس صورت کا دکھائی دے رہا ہے ۔

۲۔ ڈھانچہ میں ارتقائی مشابہت سے بھی اصلاً جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ کہ مختلف جاندار ، اپنے بنیادی ڈھانچہ کے اعتبار سے ، ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ نہیں ہیں ۔ بلکہ ان میں بعض پہلوؤں سے مشابہت پائی جاتی ہے ۔ مگر اس سے کسی بھی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ایک قسم کا جانور دوسری قسم کے جانور کے پیٹ سے نکلا ہے ۔ بیل گاڑی ، گھوڑا گاڑی اور کار کے ڈھانچوں میں بعض پہلوؤں سے مشابہت ہے ۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کس

قدر عجیب ہوگا کہ بیل گاڑی کے بطن سے گھوڑا گاڑی نکلی ہے اور گھوڑا گاڑی کے بطن سے کار نے جنم لیا ہے۔ اور کار کے بطن سے ہوائی جہاز برآمد ہوا ہے۔

متحجرات (Fossils) کے مشاہدہ میں بھی مذکورہ بالا نظریہ کے لئے کوئی لازمی دلیل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں طبقاتی ترتیب کو اگر بلا بحث مان لیا جائے جب بھی اس سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ زمین کے اوپر حیوانات کی آباد کاری میں ایک ترتیب ہے۔ ایک قسم کے جانور ایک زمانہ میں وجود میں آئے۔ دوسری قسم کے جانور دوسرے زمانہ میں۔ مثلاً جس زمانہ میں بندر تھا، انسان نہیں تھا۔ اسی طرح جس زمانہ میں مچھلیاں اور چھپکلیاں بنیں، بندر نہیں پایا جاتا تھا۔ مگر یہاں یکساں قوت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے تخلیق کی ترتیب ثابت ہوتی ہے نہ کہ ارتقاء کی ترتیب۔ ایک کے پیٹ سے دوسرا، دوسرے کے پیٹ سے تیسرا نکلا، یہ ایک علیحدہ مفروضہ ہے۔ مذکورہ مشاہدات میں اس کے لئے براہ راست دلیل موجود نہیں ہے۔ متحجر ہڈیوں کے مطالعہ میں خواہ کتنی ہی احتیاط برتی جائے، ان سے جو بات ثابت ہوگی، وہ صرف یہی ہے کہ کس قسم کے جانور کی ہڈیاں کتنے ہزار سال سے زمین میں دفن ہیں، نہ یہ کہ کون سا جانور کس کے بطن سے نکلا ہے۔

موجودہ ارتقائی تحقیقات سے اگر کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو صرف یہ کہ زمین پر جو مختلف قسم کے جاندار پائے جاتے ہیں وہ سب بیک وقت اول روز سے زمین پر موجود نہیں ہوگئے ہیں۔ بلکہ ان کی تخلیق میں ایک زمانی ترتیب ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ہر جاندار اپنے وقت میں مستقل طور پر پیدا کیا گیا یا ایسا ہوا کہ بطریق تناسل ایک جاندار کے بطن سے دوسرا جاندار نکلتا رہا۔

جہاں تک دوسرے مفروضہ کا تعلق ہے اس کے حق میں ابھی تک کوئی دلیل یا مشاہدہ سامنے نہیں آیا۔ دوسری طرف جانداروں کی حد تک سائنسداں یہ مانتے ہیں کہ وہ پہلی بار مستقل طور پر وجود میں آیا۔ پھر جو مفروضہ پہلے جاندار کے لئے صحیح سمجھا گیا ہے وہی دوسرے جاندار کے لئے بھی کیوں صحیح نہیں ہوسکتا۔ جبکہ تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ پہلا جاندار (Amoeba) اپنے جسمانی نظام میں بعض اعتبار سے وہی تمام پیچیدگیاں رکھتا ہے جو آخری جاندار (انسان) میں پائی جاتی ہیں۔ اگر پہلے پیچیدہ جاندار کو پہلی بار وجود میں لانا قدرت کے لئے ممکن تھا تو دوسرے پیچیدہ جاندار کو پہلی بار وجود میں لانا اس کے لئے کیوں ناممکن ہوگیا۔

سبب یہاں ہے

ایک امریکی خاتون لندن گئیں۔ وہاں انہوں نے ایک اخبار فروش سے پوچھا کہ باربیکن (Barbican) کا راستہ کون سا ہے۔ اخبار فروش نے بتایا تو تیزی سے اپنے الفاظ ادا کئے۔ اس کے بعد خاتون نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو دوبارہ بتانے کی زحمت دے رہی ہوں۔ میں سمجھ نہ سکی کہ آپ نے کیا کہا۔ اخبار فروش نے جواب دیا:

You know your trouble, love, you were listening with an American accent.

محترمہ آپ کو اپنی مشکل معلوم ہے۔ آپ میری بات کو امریکی لہجہ میں سن رہی تھیں (آر۔ ڈی جولائی ۱۹۷۹)۔

اس طرح کی مشکل اکثر سننے والے اور سنانے والے کے درمیان پیش آتی ہے۔ ایک بار راجستھان کے ایک شہر میں میری تقریر ہوئی۔ تقریر کا موضوع سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ میں نے اپنی ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبق آموز واقعات اور آپ کے اقوال سادہ انداز میں بیان کئے۔

جب میں اجتماع گاہ سے باہر آیا تو ایک صاحب ملے۔ انہوں نے کہا "آپ سیرت پر تو کچھ بولے نہیں" مجھے یہ سن کر سخت حیرانی ہوئی۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ میں نے خالص سیرت پر تقریر کی ہے اس میں کوئی دوسری چیز شامل نہیں کی ہے۔ مزید پوچھنے پر معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک سیرت کی تقریر یہ تھی کہ معجزات اور فتوحات اور خرق عادت کی قسم کے واقعات بیان کئے جائیں۔ چونکہ میں نے سادہ واقعات اور نصیحت کی باتیں بیان کی تھیں اس لئے موصوف کو ایسا محسوس ہوا گویا میں نے سیرت پر تقریر ہی نہیں کی۔

یہاں بھی وہی بات ہے جو مذکورہ صدر واقعہ میں نظر آتی ہے۔ میں نے ہدایت اور نصیحت کی زبان میں بات کی، جب کہ سننے والے بزرگ اس کو فتوحات اور کرامات کی زبان میں سن رہے تھے۔ ایسی صورت میں وہ میری بات کیوں کر سمجھتے۔

اسی طرح کہنے والا اگر "اسلام" کی زبان میں کہہ رہا ہو اور سننے والا اس کو "قوم" کی زبان میں سنے۔ کہنے والا "دعوت" کی زبان میں بولے اور سننے والے کے پاس اس کو سمجھنے کے لئے

"سیاست" کی زبان ہو۔ تو ایسی تمام صورتوں میں سنانے والے اور سننے والے کے درمیان ایک ایسا فصل (Gap) پیدا ہو جائے گا کہ بے حد واضح بات بھی سننے والے کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ انتہائی مدلل بات بھی سننے والے کو بے دلیل معلوم ہو گی۔

یہی بات قرآن و حدیث کے بارہ میں بھی صحیح ہے۔ قرآن و حدیث کی بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس کو اسی "زبان" میں سنے جس زبان میں وہ کہی جا رہی ہے۔ اگر وہ کسی دوسری زبان میں سننے لگے تو وہ سن کر بھی نہیں پائے گا۔ وہ پڑھ کر بھی اس کی حقیقت سے محروم رہے گا۔

ایک مثال لیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید کی طرف بلایا۔ مگر اس نے انکار کیا۔ بالآخر حضرت موسیٰ کو خدا نے بتایا کہ فرعون مع اپنے لشکر کے تباہ کیا جانے والا ہے۔ تم اس کے انکار پر دل گرفتہ نہ ہو، البتہ اپنے مسلک پر صبر کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اس کو حق کی دعوت دیتے رہو۔ اس موقع پر ارشاد ہوا ہے: پس تم اور ہارون دونوں قائم رہو اور ان لوگوں کے طریقہ کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے (یونس ۸۹)

اس آیت کا جو مطلب مفسرین نے لیا ہے وہ صفوۃ التفاسیر کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

(ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون) ای لا تسلکا سبیل الجهلة فی الاستعجال اوعدم الاطمئنان بوعد الله تعالی۔ قال الطبری، روی انه مکث بعد هذه الدعوة اربعین سنة ثم اغرق الله فرعون۔

بے علموں کے طریقہ کی پیروی نہ کرو، یعنی جلد بازی اور خدا کے وعدہ کے بارہ میں بے یقینی میں پڑ کر جاہلوں کے راستہ پر نہ چلو۔ طبری نے کہا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ اس دعا کے بعد چالیس سال تک مصر میں رہے۔ پھر فرعون کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا۔

مذکورہ تفسیر کے مطابق آیت میں جس چیز کو بے علمی کہا گیا ہے وہ دعوۃ الی اللہ کے کام میں بے صبری اور جلد بازی ہے۔ مگر ایک مفسر قرآن نے اپنی مخصوص ذہنی ساخت کی بنا پر اس سے بالکل دوسرا مطلب نکال لیا۔ وہ اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ حقیقت کو نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے وہ باطل کے مقابلہ میں حق کی کمزوری اور اقامت حق کے لئے سعی کرنے والوں کی مسلسل ناکامیاں اور ائمہ باطل کے ٹھاٹھ اور ان کی دنیوی سرفرازیاں دیکھ کر یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کو یہی

منظور رہے کہ اس کے باغی دنیا پر چھائے رہیں۔ اور شاید حضرت حق خود ہی باطل کے مقابلہ میں حق کی تائید کرنا نہیں چاہتے۔ پھر وہ نادان لوگ آخر کار اپنی بدگمانیوں کی بنا پر یہ نتیجہ نکال بیٹھتے ہیں کہ اقامت حق کی سعی لاحاصل ہے اور اب مناسب یہی ہے کہ اس ذراسی دینداری پر راضی ہو کر بیٹھ رہا جائے جس کی اجازت کفر و فسق کی سلطانی میں مل رہی ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اور ان کے پیروؤں کو اسی غلطی سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی کا منشا یہ ہے کہ صبر کے ساتھ انہیں ناموافق حالات میں کام کئے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہی غلط فہمی ہو جائے جو ایسے حالات میں جاہلوں اور نادانوں کو عموماً لاحق ہو جایا کرتی ہے۔"

اس آیت میں دعوتی عمل کے ذیل میں بے صبری اور جلد بازی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس کمزوری کو بے علمی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ دعوتی عمل میں آدمی جب صبر اور حکمت کے خلاف کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ تخلیق کے بارہ میں خدا کے منصوبہ کو نہیں سمجھتا۔ مگر مذکورہ بالا تفسیر میں عجیب و غریب طور پر یہ معنی نکال لئے گئے کہ کفر و فسق کی سلطانی قبول کر کے ذراسی دینداری پر راضی ہو جانا بے علمی ہے۔ اس تفسیر میں اور قرآن کی آیت میں صرف "بے علمی" کا لفظ مشترک ہے، باقی سب کچھ مفسر کا اپنا اضافہ ہے۔

مزید یہ کہ اس تفسیر نے دین کے پورے معاملہ کو الٹ دیا ہے۔ وہ بڑی دینداری کو "ذراسی دینداری" قرار دے رہی ہے اور ذراسی دینداری کو بڑی دینداری۔ اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کو زمانۂ دعوت میں فرعون کے ملک میں جس دینداری کا موقع حاصل تھا وہ بس "ذراسی دینداری" تھی۔ خدا نے کہا کہ اس ذراسی دینداری پر قانع نہ ہو جاؤ ورنہ تم جاہل ٹھہرو گے۔

اب دیکھئے کہ حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو کیا چیز حاصل تھی۔ ان کو "سلطانی باطل" کے باوجود یہ موقع حاصل تھا کہ وہ خدا کی عبادت کریں۔ وہ آخرت کی فکر کریں۔ وہ خدا سے ڈریں اور اس سے محبت کریں۔ وہ اپنے رب کی یادوں میں جئیں۔ وہ دعوت و شہادت کا کام کریں اور خدا کے بندوں کو خدا کی طرف بلائیں۔ اخبات و انابت اور خشوع و تضرع سے لیکر بندوں کے ساتھ انصاف اور خیر خواہی تک سب کچھ کرنے کا موقع انہیں ملا ہوا تھا اور وہ پوری طرح اس میں مشغول تھے۔ مگر یہ تمام اہم ترین چیزیں، مذکورہ تشریح کی روشنی میں "ذراسی دینداری" بن کر رہ گئیں۔

اسلام کا عطیہ

فرانس کے حکمراں نپولین بونا پارٹ نے سوئز میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مصر میں اپنی فوجیں داخل کردی تھیں۔ اور مصر کو فرانس کے قبضہ میں لے لیا تھا۔ ۱۷۹۸ میں جب نپولین اسکندریہ میں داخل ہوا تو اس نے عربی زبان میں ایک منشور شائع کیا اور اس کو مصر کے تمام شہروں میں تقسیم کیا۔ اس منشور کا آغاز حسب ذیل الفاظ سے ہوتا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، لاالہ الا اللہ، لاولد لہ ولاشریک لہ فی ملکہ۔
من طرف الفرنساویۃ المبنی علی اساس الحریہ والتسویہ ---

یعنی شروع اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور اس کے اقتدار میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (یہ منشور) فرانس کی طرف سے ہے جس کا نظام آزادی اور مساوات کی بنیاد پر قائم ہے۔

الاسلام والفکر المعاصر للدکتور حلمی مرزوق، دار النھضۃ العربیہ، بیروت ۱۹۸۲، صفحہ ۲۹

نپولین نے بظاہر اپنے اس منشور میں (سیاسی مصلحت کے تحت) اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کو ملانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے توحید کو اسلامی عطیہ ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے آزادی اور مساوات کو مغربی تہذیب کی دین قرار دیا ہے۔ گویا کہ دنیا کو اگر توحید اسلام کے ذریعہ ملی تو آزادی اور مساوات اس کو فرانس کے انقلاب کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح توحید کی نعمت انسان کو عملاً اسلامی انقلاب کے بعد ملی، ٹھیک اسی طرح آزادی اور حریت کا تحفہ بھی اس کو اسلامی انقلاب کے نتیجہ میں ملا ہے۔

غیر اللہ کو عظمت دینے کا نام شرک ہے اور اسی غیر خدائی عظمت کا یہ نتیجہ تھا کہ انسانی سماج آزادی اور حریت سے محروم تھا۔ شرک نے کچھ انسانوں کو پیدائشی طور پر برتر ٹھہرا کر دوسرے انسانوں کو ان کے مقابلہ میں پیدائشی طور پر کمتر ٹھہرا رکھا تھا۔ توحید نے ایک خدا کے مقابلہ میں سب کو یکساں حیثیت دیدی۔ توحیدی انقلاب کے بعد تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوا جس نے بالآخر تمام انسانوں کو برابر ثابت کر کے انہیں اس ارتقائی مرحلہ تک پہنچایا جس کو انسانی آزادی اور انسانی مساوات کہا جاتا ہے۔

نماز

قرآن میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ جس عبادت کا حکم دیا گیا ہے وہ نماز ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ نماز ادا نہ کرنے والے کا ٹھکانا جہنم ہوگا (مدثر ۴۳)

نماز کی حقیقت کیا ہے اور کون سی نماز خدا کی نظر میں نماز ہے، اس سلسلے میں تمام ضروری تفصیلات قرآن میں موجود ہیں۔ قرآنی آیات کے مطالعہ سے ان کو واضح طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ نماز کی حقیقت اور اس کے آداب سے متعلق قرآن کے کچھ حوالے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

ہر نماز کا ایک وقت ہے اور اس کی ادائگی میں وقت کی پابندی فروری ہے	نساء ۱۰۳
جب کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو پہلے اپنے کو پاک صاف کرلے	مائدہ ۶
نماز کی ادائگی کے وقت نمازی کو اپنے ماحول سے الگ ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے	مزمل ۸
نماز پڑھنے والا نماز اس طرح پڑھے کہ اس کا شعور پوری طرح نماز میں شامل ہو جائے	نساء ۴۳
چاہئے کہ نماز آدمی کے اوپر نگراں بن جائے جو اس کو تمام برے کاموں سے روکے	عنکبوت ۴۵
نماز کی جانچ کا معیار یہ ہے کہ وہ آدمی کو خدا کی یاد کرنے والا بنا دے	طٰہٰ ۶
نماز کے وقت خدا کا اس طرح استحضار ہو جانا چاہئے کہ آدمی کے اوپر پستی کا احساس طاری ہو جائے	مومنون ۲
جب نماز کا وقت آجائے تو دوسرے تمام کام کو چھوڑ کر نماز کی طرف دوڑ پڑو	جمعہ ۹
نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا نمازیوں کے لئے باہم مل کر رہنے کا سبق ہے	بقرہ ۴۳
نماز ایک واسطہ ہے جس کے ذریعہ آدمی خدا سے اس کی مدد مانگتا ہے	بقرہ ۱۵۳
نماز میں آدمی جب پوری طرح مشغول ہوتا ہے تو وہ خدا کے قریب ہو جاتا ہے	علق ۱۹
نماز اس بات کا پیغام دیتی ہے کہ آدمی تمام جاہلی طریقوں کو چھوڑ دے	ہود ۸۷
نماز وہ ہے جو آدمی کے اوپر اس طرح چھائے کہ وہی اس کی پہچان بن جائے	فتح ۲۹
نماز کسی آدمی کے لئے اس کی تنہائیوں کی بہترین ساتھی ہے	فرقان ۶۴
نماز ہر آدمی پر ساری عمر تک کے لئے فرض ہے	معارج ۲۳
نماز کی اسی طرح حفاظت کرو جس طرح تم اپنے مال کی حفاظت کرتے ہو	بقرہ ۲۳۸
نماز کی حقیقت آخرت کے ڈر کی وجہ سے خدا کے سامنے گر پڑنا ہے	زمر ۹
نماز میں آدمی کھڑا ہو تو اس کو ایک عاجز اور محتاج بندہ کی طرح کھڑا ہونا چاہئے	بقرہ ۲۳۸

سُوۡرَةُ هُوۡدٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّعَشۡرُ رُكُوۡعَاتٍ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍۙ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا
اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ۙ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا
اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُـؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ
فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ
مَرۡجِعُكُمۡ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴﴾

آیاتہا ۱۲۳ — سورۃ ھود مکیہ — ۱۱ — رکوعاتہا ۱۰

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ال ر۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر ایک دانا اور خبیر ہستی کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ میں تم کو اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، وہ تم کو ایک مدت تک برتوائے گا اچھا برتوانا، اور ہر زیادہ کے مستحق کو اپنی طرف سے زیادہ عطا کرے گا۔ اور اگر تم پھر جاؤ تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تم سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱ — ۴

قرآن کی دعوت یہ ہے کہ آدمی ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے۔ وہ ایک خدا کو اپنا سب کچھ بنائے۔ وہ اسی سے ڈرے اور اسی سے امید رکھے۔ اس کے ذہن ودماغ پر اسی کا غلبہ ہو۔ اپنی زندگی کے معاملات میں وہ سب سے زیادہ اس کی مرضی کا لحاظ کرے۔ وہ اپنے آپ کو عابد کے مقام پر رکھ کر خدا کو معبود کا مقام دینے پر راضی ہو جائے۔

پیغمبرانہ دعوت دراصل اسی چیز سے انسان کو باخبر کرنے کی دعوت ہے۔ قرآن میں اس کو انتہائی محکم زبان اور واضح اسلوب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اب انسان سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ وہ اس کے مقابلہ میں صحیح ردعمل پیش کرے۔ حسد، گھمنڈ، مصلحت بینی اور گروہ پرستی جیسی چیزوں کے زیر اثر آکر وہ اس کو نظر انداز نہ کردے۔ بلکہ سیدھی طرح اس کو مان کر خدا کی طرف پلٹ آئے۔ وہ اپنے ماضی کی غلطیوں کے لئے خدا سے معافی مانگے اور مستقبل کے لئے خدا سے مدد

کی درخواست کرے۔

آدمی کے سامنے کھانا پیش کیا جائے اور وہ کھانے کو قبول کرلے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی جسمانی پرورش کا انتظام کیا۔ اس کے برعکس اگر وہ کھانا قبول نہ کرے تو گویا اس نے اپنے آپ کو جسمانی پرورش سے محروم رکھا۔ ایسا ہی معاملہ دعوت حق کا ہے۔ جب آدمی حق کو قبول کرتا ہے تو درحقیقت وہ اس رزق ربانی کو قبول کرتا ہے جو اس کے اندر داخل ہو کر اس کی روح اور اس کے جسم کی صالح پرورش کا سبب بنے اور بالآخر اس کو روحانی ترقی کے ان منازل کی طرف لے جائے جو اس کو جنت کے باغوں کا مستحق بناتی ہے۔

جو شخص دعوت حق کو قبول نہ کرے اس نے گویا اپنی روح کو ربانی پرورش کے مواقع سے محروم کردیا۔ حق کو ماننے والا اگر تواضع میں جی رہا تھا تو یہ دوسرا شخص گھمنڈ کی نفسیات میں جئے گا۔ حق کو ماننے والے کے لمحات اگر خدا کی یاد میں بسر ہورہے تھے تو اس کے لمحات غیر خدا کی یاد میں بسر ہوں گے۔ حق کو ماننے والا اگر مواقع حیات میں اطاعت خداوندی کا رویہ اختیار کئے ہوئے تھا تو یہ اس کی جگہ سرکشی کا رویہ اختیار کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلا شخص اس دنیا سے اس حال میں جائے گا کہ اس کی روح صحت مند اور ترقی یافتہ روح ہوگی اور جنت کی فضاؤں میں بسائے جانے کی مستحق ٹھہرے گی۔ اور دوسرے شخص کی روح بیمار اور پچھڑی ہوئی روح ہوگی اور صرف اس قابل ہوگی کہ اس کو جہنم کے کوڑا خانہ میں پھینک دیا جائے۔

أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦﴾

دیکھو، یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں۔ خبردار، جب وہ کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں، اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ دلوں کی بات تک جاننے والا ہے۔ اور زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ اور وہ جانتا ہے جہاں کوئی ٹھہرتا ہے اور جہاں وہ سونپا جاتا ہے۔ سب کچھ ایک کھلی کتاب میں موجود ہے ۶-۵

قریش کے بعض سرداروں نے ایسا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی تو وہ بے پروائی کے ساتھ اٹھے۔ اپنی چادر اپنے اوپر ڈالی اور روانہ ہوگئے۔

یہ دراصل کسی بات کو نظر انداز کرنے کی ایک صورت ہے۔ کوئی آدمی جب داعی کو حقیر سمجھے اور اس کے مقابلہ میں اپنے کو برتر خیال کرے تو اس وقت وہ اسی قسم کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ مگر آدمی بھول جاتا ہے کہ جس نفسیات کے تحت وہ ایسا کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ یہ صرف ایک انسان (داعی) کو نظر انداز کرنا نہیں ہے بلکہ خود خدا کو نظر انداز کرنا ہے جو ہر کھلے اور چھپے کو جاننے والا ہے۔

پھر آدمی کا حال اس وقت کیا ہوگا جب وہ خدا کا سامنا کرے گا۔ وہ دیکھے گا کہ جس خدا کو اس نے نظر انداز کیا تھا وہی وہ ہستی تھا جس سے اس کو وہ سب کچھ ملا تھا جو اس کے پاس تھا۔ حتی کہ وہ اسباب بھی جن کے بل پر اس نے خدا کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ آدمی خدا کی دنیا میں ہے اور بالآخر وہ خدا کی طرف جانے والا ہے۔ مگر وہ اس طرح رہتا ہے جیسے کہ نہ آج خدا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ آئندہ اس کا خدا سے کوئی واسطہ پڑنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزمائے کہ کون تم میں اچھا کام کرتا ہے۔ اور اگر تم کہو کہ مرنے کے بعد تم لوگ اٹھائے جاؤ گے تو منکرین کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور اگر ہم کچھ مدت تک ان کی سزا کو روک دیں تو کہتے ہیں کہ کیا چیز اس کو روکے ہوئے ہے۔ آگاہ، جس دن وہ ان پر آپڑے گا تو وہ ان سے پھیرا نہ جا سکے گا اور ان کو گھیرے گی وہ چیز جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے ۷ — ۸

موجودہ دنیا کو خدا نے چھ دنوں، یعنی چھ دوروں (Periods) میں پیدا کیا ہے۔ زمین پر

ایک ایسا دور گزرا ہے جب کہ اس کی سطح پانی سے ڈھکی ہوئی تھی ۔ خدا کی سلطنت کے اس حصہ میں اس وقت صرف پانی نظر آتا تھا ۔ اس کے بعد خدا کے حکم سے خشکی کے علاقے ابھر آئے اور پانی سمندروں کی گہرائی میں جمع ہو گیا ۔ اس طرح یہ ممکن ہوا کہ زمین پر موجودہ انواع حیات ظہور میں آئیں ۔

خدا اگرچہ قادر ہے کہ واقعات کو اچانک ظاہر کر دے ۔ مگر یہ دنیا انسان کے لئے بطور امتحان گاہ بنائی گئی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے موجودہ دنیا کو منصوبہ کے تحت بنایا اور اپنی تخلیقات پر اسباب کا پردہ قائم رکھا ۔

دنیا کی پیدائش اور اس پر انسان کی آبادکاری سے خدا کا مقصود اچھا عمل کرنے والے کا انتخاب ہے ۔ "اچھا عمل" دراصل حقیقت پسندانہ عمل کا دوسرا نام ہے ۔ یعنی کسی دباؤ کے بغیر وہ کرنا جو از روئے حقیقت آدمی کو کرنا چاہئے ۔ حقیقت پسند شخص وہ ہے جو اسباب کے ظاہری پردہ سے گزر کر خدا کی چھپی ہوئی کارفرمائی کو دیکھ لے ۔ بظاہر اختیار رکھتے ہوئے اپنے آپ کو بے اختیار کر لے ۔ سرکشی کی زندگی گزارنے کا موقع رکھتے ہوئے خدا کا تابعدار بن جائے ۔

موجودہ دنیا میں ایسے ہی حقیقت پسند انسانوں کا چناؤ ہو رہا ہے ۔ جب چناؤ کی یہ مدت ختم ہوگی تو موجودہ نظام کو ختم کر کے دوسرا معیاری نظام بنایا جائے گا جہاں تمام اچھی چیزیں صرف اچھا عمل کرنے والوں کے لئے ہوں گی اور تمام بری چیزیں صرف برا عمل کرنے والوں کے لئے ۔

اللہ تعالیٰ اپنے قانون مہلت کی وجہ سے منکروں اور سرکشوں کو فوراً نہیں پکڑتا ۔ ان کو انتہائی حد تک موقع دیتا ہے کہ وہ یا تو متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیں یا آخری طور پر اپنے آپ کو مجرم ثابت کر دیں ۔ یہ قانون مہلت بعض سرکشوں کے لئے غلط فہمی کا سبب بن جاتا ہے ۔ وہ اپنی حیثیت کو بھول کر بڑی بڑی باتیں کرنے لگتے ہیں ۔ مگر جب وہ خدا کی پکڑ میں آجائیں گے اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ وہ خدا کے مقابلہ میں کس قدر بے بس تھے ۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنی کسی رحمت سے نوازتے ہیں پھر اس سے اس کو محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے ۔ اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی تھی ، اس کو ہم نعمت سے نوازتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری مصیبتیں مجھ سے دور ہو گئیں ، وہ اترانے والا اور اکڑنے والا بن جاتا ہے ۔ مگر جو لوگ

صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا اجر		۱۱ — ۹

موجودہ دنیا میں آدمی کو کبھی راحت دی جاتی ہے اور کبھی مصیبت ۔ مگر یہاں نہ راحت انعام کے طور پر ہے اور نہ مصیبت سزا کے طور پر ۔ دونوں ہی کا مقصد جانچ ہے ۔ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ یہاں انسان کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے وہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ مختلف حالات میں آدمی نے کس قسم کا ردعمل پیش کیا۔

وہ آدمی ناکام ہے جس کا حال یہ ہو کہ جب اس کو خدا کی طرف سے کوئی راحت پہنچے تو وہ فخر کی نفسیات میں مبتلا ہو جائے ۔ اور جو افراد اس کو اپنے سے کم دکھائی دیں ان کے مقابلہ میں وہ اکڑنے لگے ۔ اسی طرح وہ شخص بھی ناکام ہے کہ جب اس سے کوئی چیز چھنے اور وہ مصیبت کا شکار ہو تو وہ ناشکری کرنے لگے ۔ کسی محرومی کے بعد بھی آدمی کے پاس خدا کی دی ہوئی بہت سی چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ مگر آدمی ان کو بھول جاتا ہے اور کھوئی ہوئی چیز کے غم میں ایسا پست ہمت ہوتا ہے گویا اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے ۔

اس کے برعکس ایمان میں پورا اترنے والے وہ ہیں جو صابر اور صالح العمل ہوں ۔ یعنی ہر جھٹکے کے باوجود اپنے آپ کو اعتدال پر باقی رکھیں اور وہی کریں جو خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے انہیں کرنا چاہیے ۔

صبر یہ ہے کہ آدمی کی نفسیات حالات کے زیر اثر نہ بنے بلکہ اصول اور نظریہ کے تحت بنے ۔ حالات خواہ کچھ ہوں وہ ان سے بلند ہو کر خالص حق کی روشنی میں اپنی رائے بنائے ۔ وہ حالات سے غیر متاثر رہ کر اپنے عقیدہ اور شعور کی سطح پر زندہ رہنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اسی قسم کی زندگی نیک عملی کی زندگی ہے ۔ جو لوگ اس نیک عملی کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو اگلی زندگی میں خدا کی رحمتوں کے حصہ دار ہوں گے اور خدا کی ابدی جنتوں میں جگہ پائیں گے ۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰىٓ اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭

کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس چیز کا کچھ حصہ چھوڑ دو جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے۔ اور تم اس بات پر دل تنگ ہو کر وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور اللہ ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کتاب کو گھڑ لیا ہے۔ کہو، تم بھی ایسی ہی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ تمہارا کہا پورا نہ کرسکیں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے اترا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم حکم مانتے ہو ۱۴ — ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شرک کی تردید کی اور لوگوں کو توحید کی طرف بلایا تو آپ کے مخاطبین بگڑ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی باتوں سے ان کے ان بڑوں پر زد پڑتی تھی جن کے دین کو انہوں نے اختیار کر رکھا تھا اور جن سے انتساب پر وہ فخر کرتے تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ قدیم عربوں کے یہ اکابر تاریخی طور پر ان کی نظر میں باعظمت بنے ہوئے تھے، جب کہ پیغمبر اسلام کے ساتھ ابھی تاریخ کی عظمتیں شامل نہیں ہوئی تھیں۔ اس وقت آپ لوگوں کو ایک بے حیثیت انسان کے روپ میں نظر آتے تھے۔ عرب کے لوگ یہ دیکھ کر سخت برہم ہوتے تھے کہ ایک معمولی آدمی ایسی باتیں کہہ رہا ہے جس سے ان کے اکابر و اعاظم بے اعتبار ثابت ہو رہے ہیں۔

ایسی حالت میں داعی کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ، کم از کم وقتی طور پر، تنقیدی انداز سے پرہیز کرے اور صرف مثبت طور پر اپنا پیغام پیش کرے۔ "شاید تم وحی کے بعض حصہ کی تبلیغ چھوڑ دوگے" سے مراد وحی خداوندی کا یہی تنقیدی حصہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو وضاحت مطلوب ہے اور تنقید کے بغیر وضاحت ممکن نہیں۔ پھر اگر حق کو پوری طرح کھولنے کے نتیجہ میں لوگ داعی کو استہزاء اور مخالفت کا موضوع بنائیں تو اس سے گھبرانے کی کیا ضرورت۔ مدعو کی طرف سے یہ مخالفانہ ردعمل تو دراصل وہ قیمت ہے جو کسی آدمی کو بے آمیز حق کا داعی بننے کے لئے اس دنیا میں ادا کرنی پڑتی ہے۔

خدا کے داعی کے برحق ہونے کا سب سے زیادہ یقینی ثبوت اس کا ناقابل تقلید کلام ہے۔ جو لوگ پیغمبر کو حقیر سمجھ رہے تھے اور یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ اس بظاہر معمولی آدمی کو وہ سچائی ملی ہے جو ان کے اکابر کو بھی نہیں ملی تھی، ان سے کہا گیا کہ پیغمبر کی صداقت کو اس معیار پر نہ جانچو کہ مادی اعتبار سے وہ کیسا ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے دیکھو کہ وہ جس کلام کے ذریعہ اپنی

دعوت پیش کر رہا ہے وہ کلام اتنا عظیم ہے کہ تم اور تمہارے تمام اکابر مل کر بھی ویسا کلام نہیں بنا سکتے۔ یہ ناقابل تقلید امتیاز اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ پیغمبر خدا کی طرف سے بول رہا ہے۔ پیغمبر کے برسرحق ہونے کی اس واضح نشانی کے بعد آخر لوگوں کو خدا کا حکم بردار بننے میں کس چیز کا انتظار ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا
لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا
فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں، ہم ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیتے ہیں۔ اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا میں جو کچھ بنایا تھا وہ برباد ہوا اور خراب گیا جو انہوں نے کمایا تھا ۱۶ — ۱۵

دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ملاوٹی دین، دوسرا بے آمیز دین۔ ملاوٹی دین دراصل دنیا کے اوپر دین کا لیبل لگانے کا دوسرا نام ہے۔ وہ دنیا اور دین کے درمیان مصالحت کرنے سے وجود میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ ملاوٹی دین کی بنیاد پر بڑے بڑے ادارے قائم ہوتے ہیں۔ اس کے نام پر مال اور عزت اور قیادت حاصل ہوتی ہے۔

بے آمیز دین کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ بے آمیز دین کی دعوت جب کسی ماحول میں اٹھتی ہے تو وہ صرف ایک نظری سچائی ہوتی ہے۔ معاشی مفادات اور قیادتی مصالح اس کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں جو لوگ ملاوٹی دین کے نام پر عزت اور مقام حاصل کئے ہوئے ہوں ان کے سامنے جب بے آمیز دین کی دعوت آتی ہے تو وہ سخت متوحش ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کو اختیار کرنے کی صورت میں انہیں نظر آتا ہے کہ تمام دنیوی چیزیں ان سے چھن جائیں گی۔

اس اعتبار سے کسی ماحول میں بے آمیز دین کی دعوت کا اٹھنا وہاں ایک نازک امتحان کا برپا ہونا ہے۔ ایسے وقت میں جو لوگ دنیا کی عزت اور دنیا کے مفادات کو قابل ترجیح سمجھیں اور بے آمیز دین کا ساتھ نہ دیں ان کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے خانہ میں چلی جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے

اس دین کا ساتھ دیا جس میں ان کے دنیوی مفادات محفوظ تھے۔ اور اس دین کا ساتھ نہ دیا جس میں انھیں اپنے دنیوی مفادات چھنتے ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ بظاہر خواہ دینی سرگرمیوں میں مشغول ہوں، اصل مقصود کے اعتبار سے وہ دنیا کے حصول میں مشغول ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوششوں کا آخرت میں کوئی نتیجہ ملنا ممکن نہیں۔

انھوں نے اگرچہ اپنی سرگرمیوں کو دین کے نام سے موسوم کر رکھا تھا وہ اپنے قومی میلوں کے اوپر جشن دینی کا بورڈ لگاتے تھے۔ وہ اپنی قومی لڑائیوں کو جہاد کا نام دیتے تھے۔ وہ اپنی قیادتی نمائش کو دینی کانفرنس کہتے تھے، وہ اپنے سیاسی ہنگاموں کو خدائی کی اصطلاحات میں بیان کرتے تھے، وہ اپنے دنیوی جذبات کے تحت دھوم مچاتے تھے اور اس کو خدا اور رسول کے ساتھ جوڑتے تھے۔ مگر یہ ساری تعمیرات دنیا کی زمین میں تھیں، وہ آخرت کی زمین میں نہ تھیں، اس لئے قیامت کا زلزلہ انہیں بالکل برباد کر دے گا۔ اگلی دنیا میں ان کا کوئی انجام ان کے حصہ میں نہ آئے گا۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾

بھلا ایک شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل پر ہے، اس کے بعد اللہ کی طرف سے اس کے لئے ایک گواہ بھی آگیا، اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود تھی، ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جماعتوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کے وعدہ کی جگہ آگ ہے۔ پس تم اس کے بارہ میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے مگر اکثر لوگ نہیں مانتے ۱۷

پیغمبر اسلام نے عرب میں توحید کی دعوت پیش کی تو کچھ لوگوں نے اس کو مانا اور زیادہ لوگ اس کے منکر ہو گئے۔ یہی ہر زمانہ میں دعوت حق کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔
خدا نے ہر آدمی کو فطرت صحیح پر پیدا کیا ہے۔ گرد و پیش کی دنیا میں ہر طرف ایسی نشانیاں

پھیلی ہوئی ہیں جو اپنے خالق کا اعلان کرتی ہیں اور اسی کے ساتھ اس کے تخلیقی منصوبہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ پھر انسانیت کے بالکل ابتدائی زمانہ سے خدا کے رسول آتے رہے اور خدا کی باتیں لوگوں کو بتاتے رہے۔ انہیں میں سے ایک پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جن کی لائی ہوئی کتاب اب تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اب جو شخص سنجیدہ ہو اور چیزوں سے سبق لینا جانتا ہو تو وہ حقیقت سے اتنا مانوس ہو گا کہ داعی جب اس کے سامنے حقیقت کا اعلان کرے گا تو فوراً وہ اس کو پہچان لے گا۔ اس کا دل اور اس کا دماغ حق کے حق ہونے پر گواہی دیں گے۔ وہ آگے بڑھ کر اس کو اس طرح اختیار کر لے گا جیسے وہ اس کے اپنے دل کی آواز ہو۔

مگر اکثر لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ چیزوں کو بہت زیادہ سنجیدگی کے ساتھ نہیں دیکھتے۔ وہ سطحی تماشوں اور وقتی دلچسپیوں میں پڑ کر اپنا مزاج بگاڑ لیتے ہیں۔ غیر متعلق چیزوں کی مصروفیت انہیں اس کا موقع نہیں دیتی کہ وہ داعی اور اس کی دعوت پر ٹھہر کر سوچیں۔ چنانچہ ان کے سامنے جب حق کی دعوت آتی ہے تو وہ اس کو پہچان نہیں پاتے وہ اپنے بگڑے ہوئے مزاج کی بنا پر اس کے منکر بلکہ مخالف بن جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کی اور خدا کے تخلیقی منصوبہ کی ناقدری کی۔ ان کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں۔

انسانی فطرت، زمین و آسمان کے واقعات اور پچھلی آسمانی کتابیں قرآن کے حق ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ اس کے بعد اگر لوگوں کی اکثریت اس کا انکار کرتی ہے تو اس کی وجہ منکرین کے اندر تلاش کی جائے گی نہ یہ کہ خود قرآن کے کتاب حق ہونے پر شک کیا جائے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَ
يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸
الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ۝۱۹ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا
يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲

حج کا سفر

اگست ۱۹۸۲ میں میں بعض ملکوں کے سفر پر نکلا۔ اس سفر میں "حج" کا پروگرام شامل نہ تھا۔ حتیٰ کہ میرے ذہن میں اس کا تصور بھی نہ تھا۔ روانڈا (افریقہ) پہنچا تو وہاں سے اچانک سفر حج کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اس معاملہ میں میرے ساتھ بالکل وہ صورت پیش آئی جو کسی شاعر نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے:

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال   کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

حج کا یہ سفر اسلامک سنٹر (کیگالی) کے ڈائرکٹر جناب محمد سلیمان القائد کے ساتھ ہوا۔ وہ چونکہ اس سے پہلے دو بار حج کر چکے تھے اس لئے پورے سفر میں ان کی رہنمائی بہت مفید ثابت ہوئی۔ کیگالی سے ہم ایتھوپین ایرلائنز کے ذریعہ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۲ کی صبح کو روانہ ہوئے۔ ہماری پہلی منزل اینٹبی (Entebbe) تھی۔ یہاں جہاز ایک گھنٹہ ٹھہرا اور ہم کو موقع ملا کہ ہم یوگنڈا کے اس شہر پر ایک طائرانہ نظر ڈال سکیں۔ اینٹبی ایک چھوٹا ہوائی اڈہ ہے۔ مگر چاروں طرف پھیلی ہوئی شادابی، نیز سمندر کے ساحل نے اس کو کافی خوبصورت بنا دیا ہے۔ اسی مقام پر ۱۹۷۸ میں ہائی جیکنگ کا مشہور واقعہ پیش آیا تھا جب کہ فلسطینیوں نے ایک اسرائیلی جہاز کو بجبر اینٹبی کے ہوائی اڈہ پر اتار لیا تھا۔ چند روز تک غیر یقینی صورت حال رہی۔ اس کے بعد اچانک اسرائیلی ہوائی جہاز اینٹبی کے ہوائی اڈہ پر اترے۔ انہوں نے حیرت انگیز مہارت کے ساتھ فلسطینیوں کو مغلوب کیا اور پھر اپنے تمام آدمیوں کو لے کر اسرائیل پہنچ گئے۔

ہماری دوسری منزل عدیس ابابا تھی۔ یہاں سے ہمیں ہوائی جہاز بدلنا تھا۔ اس سلسلے میں یہاں ایک روز قیام رہا۔ عدیس ابابا، ایتھوپیا کا دار السلطنت ہے۔ ایتھوپیا (حبشہ) وہ ملک ہے جہاں صحابہ کرام نے پہلی ہجرت کی تھی۔ اسی خاک سے بلال حبشی پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کا حکمراں نجاشی تھا۔ وہ نہایت عادل حکمراں تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم یہاں کی اکثر آبادی بدستور اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہی۔ ایتھوپیا کے ایک سرحدی علاقہ (اریٹیریا) میں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ مگر ان مسلمانوں کو اس کے سوا اور کوئی کام معلوم نہیں کہ یہاں کی عیسائی حکومت سے بے معنی سیاسی لڑائی

لڑتے رہیں۔ وہ یہاں کے عیسائیوں کو دین خدا کا مدعو نہ بنا سکے ۔ البتہ اپنی ناکام سیاست کے ذریعہ انہوں نے یہاں کے عیسائیوں کو اپنا قومی حریف ضرور بنالیا ہے ۔

۱۵ ستمبر کو ہم جدہ پہنچے ۔ یہاں کے ہوائی اڈہ پر بڑا سخت مرحلہ پیش آیا۔ ہم چیکنگ کے مقام پر پہنچے تو میدان حشر کا منظر تھا۔ بے رحم چہرے کھڑے ہوئے لوگوں کے سامان کی بری طرح تفتیش کر رہے تھے ۔ جس چیز کو چاہتے توڑ دیتے ۔ جس چیز کو چاہتے اٹھا کر اپنے پیچھے رکھے ہوئے بڑے بڑے ٹب میں ڈال دیتے ۔ بالآخر میری باری آئی ۔ میرے پاس کپڑے اور قلم اور مسواک جیسی چند چیزیں تھیں ۔ البتہ کاغذات کا کافی ذخیرہ تھا ۔ یہ مختلف مضامین اور تاثرات تھے جو میں پچھلے ایک مہینہ کے سفر میں لکھتا رہا تھا۔ چیکنگ پوسٹ پر کھڑے ہوئے آدمی نے بے رحمی کے ساتھ تمام کاغذات کو لپیٹ کر فاتحانہ انداز سے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ میری ہر اپیل اس کے لئے قطعاً غیر موثر ثابت ہو رہی تھی ۔ غیر مطبوعہ مضامین کی اس طرح بربادی میرے لئے ناقابل برداشت تھی ۔ اپنی اس بے بسی کو دیکھ کر میں انہیار عصبی کے مرحلہ کو پہنچنے والا تھا کہ اچانک ایک معجزہ پیش آیا ۔ ہوائی اڈہ کے اسٹاف کا ایک عرب نوجوان وہاں آگیا۔ اس نے میرے بکس پر میرا نام اور پتہ دیکھا اور بولا : هل انت وحيد الدين خان، صاحب الاسلام يتحدى. میں نے کہا **نعم**۔ اس کے بعد اس نے فوراً مذکورہ آدمی سے کہا : ان کو میں جانتا ہوں ۔ یہ بہت خاص آدمی ہیں ، انہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد آدمی نے میرے تمام کاغذات میرے حوالے کر دئے اور میری جان میں جان آئی ۔

یہ صورت حال در اصل اس تخریبی سیاست کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے جس میں بہت سی نام نہاد اسلامی جماعتیں اور اسلامی حکومتیں شریک ہیں ۔ یہ لوگ اپنے ہم قوموں اور مسلم حکمرانوں کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں سرگرم ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکمراں طبقہ باہر سے آنے والوں کے بارے میں انتہائی حد تک شکی ہو گیا ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص باہر سے آرہا ہے وہ کسی سازشی منصوبہ کا جزء ہے ۔ اس کے پاس اگر کوئی بیگ ہے تو وہ اس لئے ہے کہ اس میں وہ ہتھیار چھپا کر لائے ۔ اس کے پاس اگر کچھ کاغذات ہیں تو وہ یقیناً کوئی باغیانہ لٹریچر ہے جو ان کے ملک میں باہر سے درآمد کیا جا رہا ہے ۔ اسلام کے نام پر جاری ہونے والی اس تخریبی سیاست نے اسلام یا مسلمانوں کو کوئی فائدہ تو نہیں پہنچایا البتہ ان کو نئے نئے عذاب میں یقیناً مبتلا کر دیا ہے ۔

مکہ میں مجھے ایک اسپتال میں جانا پڑا۔ قاعدہ کے مطابق میں نے پہلے ایک کاغذ لکھوایا جس میں میرا نام اور "الہند" لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد مجھے دوسری منزل پر ایک کمرہ میں داخل کیا گیا جہاں ایک عرب ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ میں وہی وحید الدین خان ہوں جس نے الاسلام یتحدی لکھی ہے تو وہ بیتاب ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں نے الاسلام یتحدی پڑھی ہے۔ اس نے اپنے اسٹاف کے آدمیوں کو بلا کر کہا هذا شیخ کبیر وله کتاب عظیم۔ فارغ ہو کر میں اس کے کمرہ سے نکلا تو خلاف معمول وہ باہر تک مجھے پہنچانے آیا۔

مکہ میں ہم جس مطوف (احمد حسین خوان، شارع ابراہیم الخلیل) کے یہاں ٹھہرے تھے، ان کا مکان باب الھجرہ کی جانب حرم سے بہت قریب تھا۔ اس کی وجہ سے بہت سا وقت حرم میں گذارنے کا اتفاق ہوا۔ کعبہ کے پردہ تک پہنچ کر دعائیں مانگنے کی توفیق بھی ملی۔

مذکورہ مکان میں پہلی منزل پر ہم سے ملے ہوئے کمرہ میں تیونس کی وزارت تعلیم کے (مفتش اوّل) مقیم تھے۔ ہمارے کمرہ کا نمبر ا تھا، ان کے کمرہ کا نمبر ۲۔ ۱۸ ستمبر کو ایک ملاقات میں انہیں معلوم ہوا کہ میں "وحید الدین خاں" ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے پوچھا، کیا آپ نے الاسلام یتحدی پڑھی ہے۔ وہ فوراً بولے ــــــ نعم، بل هو احسن ما قرأت (ہاں، بلکہ وہ سب سے اچھی کتاب ہے جو میں نے پڑھی) انہوں نے بتایا کہ تیونس کے تمام مدارس ثانویہ میں آپ کی کتاب کو بطور ٹکسٹ بک کے داخل کر دیا گیا ہے۔ اور وہ ہمارے یہاں فلسفہ اور اسلامیات کے موضوع کے تحت باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے کمرہ سے اپنے صاحبزادہ کو بلایا اور کہا کہ ان سے ملو۔ یہ وقت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ (اکبر علماء المعاصرین)

تیونس کے جریدہ الہدایہ کے لئے انہوں نے میرا انٹرویو بھی لیا۔

حج میں بار بار ایسے مواقع آتے ہیں جو طبیعت پر بے حد شاق معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر آدمی اگر اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کر لے تو وہی چیز اس کے لئے رزق ربانی کا سبب بن جائے گی جو عام حالات میں صرف رزق نفسانی کا ذریعہ بنتی ہے۔ مثلاً آپ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے ہیں اور انسانوں کا ہجوم آپ کے سامنے اس طرح کھڑا ہو گیا کہ آپ نہ صحیح طور پر رکوع کر سکیں اور نہ صحیح طور پر سجدہ۔ ایسے موقع پر اگر آپ سامنے والے انسان کو دیکھیں تو صرف غصہ اور نفرت پیدا ہو گا۔ اس کے برعکس

اگر آپ یہ کہہ اٹھیں کہ خدایا میری اس ٹوٹی پھوٹی نماز کو قبول کرلے ۔ کیونکہ میری بظاہر صحیح نماز بھی اتنی ہی ٹوٹی پھوٹی نماز ہے جتنی کہ میری یہ نماز ، تو آپ کا ذہن بالکل دوسری طرف پھر جائے گا اور آپ کو خدا کا رزق ملنے لگے گا ۔ اسی طرح رمی اور دوسرے مواقع پر انسان کا بے پناہ ہجوم ، منیٰ اور عرفات میں گرمی کی شدت ، پانی لینے کے لئے ایک کا دوسرے پر ٹوٹنا وغیرہ ۔ ان مواقع پر اگر آپ صرف سامنے کے انسان کو دیکھیں تو آپ کے اندر صرف غصہ اور نفرت کی آگ بھڑکے گی ۔ اس کے برعکس اگر آپ سوچنے لگیں کہ دنیا کی معمولی مصیبت کا یہ حال ہے تو آخرت کی بڑی مصیبت میں میرا کیا حال ہوگا تو اچانک آپ محسوس کریں گے کہ جو چیز بظاہر مصیبت نظر آرہی تھی اس نے خدا کی رحمت بن کر آپ کے اوپر سایہ کرلیا ہے ۔

ہم ٦ ستمبر کو جدہ سے مکہ پہنچے تو ہمارے ساتھی محمد سلیمان القائد نے اپنے سامان کو چک کرتے ہوئے پایا کہ وہ اپنا کیس (حقیبہ) جدہ کے ہوائی اڈہ پر چھوڑ آئے ہیں ۔ اس میں ان کے بیس ہزار ریال تھے ۔ یہ حادثہ بڑا سخت تھا ۔ اس کے بعد میں مکہ میں ٹھہرا اور وہ امید و بیم کی کیفیت لے کر دوبارہ جدہ کے لئے روانہ ہوئے کہ شاید بیگ دوبارہ مل جائے ۔ مجھے سخت تشویش تھی ۔ میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تو بے اختیار میری زبان سے نکلا : اللھم اجعلہ لنا درساً ولا تجعلہ لنا خسارۃً (یعنی خدایا ! بیگ ضائع نہ ہو اور وہ دوبارہ مل کر ہمارے لئے سبق کا ذریعہ بن جائے ۔ دن بھر اسی قسم کی دعا دل سے نکلتی رہی ۔ محمد سلیمان القائد صاحب مغرب بعد جدہ سے لوٹے تو ان کے ہاتھ میں بیگ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ۔ شرطہ کے دفتر میں بیگ مل گیا ۔ اس کی پوری رقم اور دوسرے کاغذات بدستور اس میں موجود تھے ۔

جدہ کے ہوائی اڈہ پر میری بھی دو چیزیں گم ہوئیں —— گھڑی اور قلم ۔ مگر وہ دوبارہ نہ مل سکیں ۔ ممکن ہے اس میں اس کا بھی دخل ہو کہ میں نے زیادہ تلاش نہیں کیا ۔

حج کے بہت سے پہلو ہیں مگر اس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ حج حق تعالیٰ سے ملاقات ہے ۔ آدمی جب سفر کرکے مقامات حج تک پہنچتا ہے تو اس پر خاص طرح کی کیفیات طاری ہوتی ہیں ۔ اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ " اپنی دنیا " سے نکل کر " خدا کی دنیا " میں پہنچ گیا ہے ۔ وہ اپنے خدا کو چھو رہا ہے وہ اس کے گرد گھوم رہا ہے ۔ وہ اس کی طرف دوڑ رہا ہے ۔ وہ اس کی خاطر سفر کر رہا ہے ۔ وہ اس کے حضور قربانی پیش کر رہا ہے ۔

وہ اس کے دشمن کو کنکریاں مار رہا ہے۔ وہ اس سے مانگ رہا ہے جو کچھ وہ مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے پا رہا ہے جو کچھ اسے پانا چاہئے۔

عرفات کا میدان اس سلسلہ میں بڑا عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ خدا کے بندے قافلہ در قافلہ چاروں طرف سے چلے آرہے ہیں۔ سب کے جسم پر ایک ہی سادہ لباس ہے۔ ہر ایک اپنی امتیازی صفت کو کھو چکا ہے۔ سب کی زبان پر ایک ہی لفظ جاری ہے۔ لبیك اللهم لبيك، لبيك اللهم لبيك۔ یہ منظر دیکھ کر قرآن کی وہ آیت یاد آنے لگتی ہے۔ ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفات کا اجتماع حشر کے اجتماع کی ایک دنیوی تصویر ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے الحج عرفة (عرفات کے میدان میں قیام ہی حج ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کا اہم ترین فائدہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ آدمی میدان حشر میں خدا کے سامنے اپنی حاضری کو یاد کرے۔ جو کچھ کل عملاً بیتنے والا ہے اس کو آج ہی ذہنی طور پر اپنے اوپر طاری کر لے۔

کعبہ خدائے واحد کا گھر ہے۔ جس کو دو پیغمبروں (حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ) نے مل کر بنایا۔ ان پیغمبروں کی خدا پرستی اور خدا کے لئے ان کی قربانی کے حیرت انگیز واقعات اس مسجد سے وابستہ ہیں۔ پھر پیغمبر اسلام اور آپ کے پاک اصحاب کی زندگیاں اور ان کی تمام خدا پرستانہ سرگرمیاں اس کی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں۔

خدا پرستی اور خدا کے لئے قربانی کی اس طویل تاریخ کو آدمی کتابوں میں پڑھتا ہے۔ وہ اس کے حافظہ کے خانہ کا جزء بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کے بعد جب وہ کعبہ کے سامنے پہنچتا ہے تو حافظہ کی تمام یادیں اچانک جاگ اٹھتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک تاریخ کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہے۔ خدا سے خوف اور محبت کی تاریخ، خدا کے لئے قربان ہو جانے کی تاریخ، خدا کو اپنا سب کچھ بنانے کی تاریخ، خدا کو قادر مطلق کی حیثیت سے پا لینے کی تاریخ، خدا کی خاطر اپنے آپ کو مٹا دینے کی تاریخ۔

اس قسم کی ایک عظیم ربانی تاریخ اس کے سامنے کعبہ کی صورت میں مجسم ہو جاتی ہے۔ وہ حجری حروف میں لکھی ہوئی اس کو نظر آنے لگتی ہے۔ یہ تجربہ اس کے دماغ کو ہلاتا ہے اور اس کے سینہ کو پگھلا دیتا ہے۔

یہ میری محرومی تھی کہ میں نے ابھی تک حج کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ اس سال میں

ایک اور سفر کے لئے نکلا۔ مگر خدا نے عجیب و غریب طور پر ایشیا اور یورپ اور افریقہ کا سفر کراتے ہوئے مجھ کو حجاز پہنچا دیا تاکہ میں حج کی سعادت حاصل کرسکوں۔ حج کرنے والا اگرچہ میں تھا، مگر حج کرانے والا صرف خدا تھا۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہ تھا۔

حرم میں پہنچ کر جب کعبہ پر نظر پڑی تو یہ ایک ایسا منظر تھا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کعبہ کو دیکھنا اور کعبہ کے پڑوس میں اپنے آپ کو پانا اتنا لذیذ ربانی تجربہ ہے جس کے اظہار سے میرا قلم عاجز ہے۔ اس غیر متوقع نعمت کو پاکر دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ میں نے کہا، خدایا، میں نے ابھی تک اپنی زندگی میں حج کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ گویا کہ میں حج کئے بغیر مرنے پر راضی تھا۔ تیرا کیسا عجیب احسان ہے کہ تو نے مجھ کو اس محرومی سے بچا لیا۔

کعبہ زمین پر خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ وہاں بھٹکی ہوئی انسانی روحوں کو خدا کا آغوش دیا جاتا ہے۔ وہاں پتھرائے ہوئے سینوں میں عبدیت کے چشمے جاری کئے جاتے ہیں۔ وہاں بے نور آنکھوں کو خدا کی تجلیات دکھائی جاتی ہیں۔ تاہم سب کچھ اس کے لئے ہے جو اس کی استعداد لے کر وہاں جائے۔ بے استعداد لوگوں کے لئے حج بس ایک قسم کی سیاحت ہے۔ وہ وہاں جاتے ہیں تاکہ جیسے گئے تھے ویسے ہی دوبارہ واپس چلے آئیں۔

وہاں میں نے جو خدائی مناظر دیکھے جس طرح وہ ناقابل بیان ہیں اسی طرح وہ انسانی مناظر بھی ناقابل بیان ہیں جو وہاں مجھے دیکھنے کو ملے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ یا تو دنیا کی باتیں کرنے میں مشغول ہیں یا دنیا کا سامان خریدنے میں۔ کچھ لوگ دوسروں کو دھکا دے کر اپنی پرجوش مذہبیت کا ثبوت دے رہے تھے حالانکہ اس قسم کی چیزیں حرم میں جائز نہیں۔ جہاں ہر طرف خدا کے جلوے بکھرے ہوئے تھے تاکہ آدمی ان میں محو ہو جائے وہاں لوگ انسانی جلووں میں گم تھے۔ جہاں خدا کے فرشتے اترے ہوئے تھے تاکہ لوگ ان سے باتیں کریں وہاں لوگ انسانوں سے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ جہاں ہر طرف آخرت کا سامان بک رہا تھا وہاں لوگوں کو دنیا کا سامان خریدنے کے سوا کسی اور چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ جس جگہ کا یہ حق تھا کہ خدا کا ڈر انہیں پیچھے کر دے وہاں لوگ دوسروں کو دھکا دے کر آگے بڑھ جانے میں تیزی دکھا رہے تھے۔

مسجد حرام نہایت وسیع ہے اور ویسی ہی ہے جیسا کہ اس کو ہونا چاہیے۔ مگر حاجیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے، اس وسعت کے باوجود، اس کو تنگ کر دیا ہے۔ تاہم ایک چیز

مجھے شدت سے محسوس ہوئی۔ اور وہ مسجد حرام کے باہر کا ماحول ہے۔ مسجد حرام کے باہر کھلی ہوئی جگہ نہیں۔ مسجد حرام کو بستی سے جو چیز جدا کرتی ہے وہ صرف ایک سڑک ہے۔ نہایت ضروری تھا کہ مسجد حرام کے چاروں طرف نہایت وسیع کھلا ہوا میدان ہوتا۔ مگر موجودہ حالت یہ ہے کہ مسجد حرام کو چاروں طرف سے ہوٹلوں کی اونچی عمارتوں کے جنگل نے گھیر رکھا ہے۔ سعودی حکومت نے اگرچہ اطراف کے بہت سے مکانات کو خرید کر حرم کی توسیع کی ہے مگر یہ کام ابھی اور کرنا باقی ہے۔

حاجیوں کو میں نے دیکھا کہ ارکان حج ادا کرتے ہوئے وہ بس رٹی ہوئی دعائیں دہراتے ہیں یا کتاب ہاتھ میں لے کر اس سے پڑھتے رہتے ہیں۔ حج کی فقہی ادائیگی اگرچہ اس سے ہوجاتی ہے مگر حج کے دوران ذکر و دعا سے جو چیز مطلوب ہے اس کا حق اس طرح ادا نہیں ہوتا۔ حج کے دوران آدمی پر وہ کیفیت گزرنی چاہئے جو حضرت ابراہیم اور ان کے خاندان پر گزری تھی۔ مثلاً جب آدمی سعی کرتا ہے تو اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلنے چاہئیں کہ خدایا تونے اس سعی کے بعد ھاجرہ کے لئے برکت کا ابدی چشمہ جاری کر دیا تھا، میری سعی کو بھی تو ایسی سعی بنا دے جس کے بعد میرے لئے خیر کے ایسے چشمے جاری ہو جائیں جو دنیا سے آخرت تک مجھے برکت دیتے رہیں۔

السید سابق نے اپنی مشہور کتاب فقہ السنہ میں بجا طور پر لکھا ہے:

ویستحب لہ ان یکثر من الذکر والدعاء ویتخیر منھما ماینشرح لہ صدرہ دون ان یتقید بشئ اویردد مایقولہ المطوفون. فلیس فی ذلک ذکر محدود الزمنا الشارع بہ. ومایقولہ الناس من اذکار وادعیۃ فی الشوط الاول والثانی وھکذا فلیس لہ اصل ولم یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شئ من ذلک فلطائف ان یدعوا نفسہ ولاخوانہ بماشاء من خیری الدنیا والاخرۃ (المجلد الاول، صفحہ ۶۹۴)

طواف کرنے والے کو چاہئے کہ طواف کے وقت خوب ذکر اور دعا کرے اور ان میں سے جن پر اسے شرح صدر ہو ان کو اختیار کرلے بغیر اسکے کہ اپنے کو کسی سے مقید کرلے یا معلمین کے کہے کو دہراتا رہے۔ کیونکہ طواف میں کوئی متعین ذکر نہیں ہے جسکا شارع نے ہم کو پابند کیا ہو۔ اور عوام جو اذکار اور دعائیں شوط اول، شوط ثانی وغیرہ میں پڑھتے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں۔ طواف کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے لئے اور اپنے بھائیوں کیلئے جس طرح چاہے دنیا اور آخرت کی بہتری مانگے۔

حج کے مسائل جو قرآن و حدیث میں ہیں وہ اتنے کم ہیں کہ چند صفحات میں لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر فقہاء نے، دوسری عبادات کی طرح حج کے بے شمار مسائل وضع کر رکھے ہیں جن کا احاطہ عام آدمی کے لئے ممکن نہیں۔ اس "اضافہ" کے حق میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ حجاج کی سہولت کے لئے کیا گیا ہے۔ مگر اس استدلال میں کوئی وزن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض فقہی مسائل پڑھ کر کوئی شخص نہ نماز پڑھ سکتا اور نہ حج کر سکتا۔ یہ کام ایسا ہے جو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے مفصل احکام بتانے کے بجائے یہ فرمایا۔ صلوا کما رأیتمونی اصلی (جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو)

یہی اصل طریقہ ہے۔ رسول اللہ کو دیکھ کر صحابہ نے نماز پڑھی۔ صحابہ کو دیکھ کر تابعین نے۔ تابعین کو دیکھ کر تبع تابعین نے۔ جس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا جا رہا ہے۔ اگر لوگوں کے پاس صرف فقہ کے نام نہاد تفصیلی مسائل ہوتے تو لوگ کبھی صحیح طور پر نماز نہ پڑھ سکتے۔ امام ابوحنیفہ اس فن کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ مگر وکیع کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ان سے کہا کہ میں نے مناسک کی ادائیگی میں پانچ غلطیاں کیں۔ پھر ایک حجام نے مجھے بتایا: (قال وکیع: قال لی ابوحنیفه۔ اخطأت فی خمسة ابواب من المناسك فعلّمنیها حجام، ذکره المحب الطبری بالتفصیل)

حاجیوں میں تقریباً ۹۵ فی صد تعداد زیادہ عمر والوں کی نظر آئی۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو بے حد بوڑھے ہو چکے تھے۔ حتی کہ ایسے بھی تھے جنہیں بار بار کف آتا تھا اور وہ تھوکنے پر مجبور تھے۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ پلاسٹک کا تھیلا لئے ہوئے ہیں اور اس کے اندر تھوک رہے ہیں۔ یہ منظر بھی نظر آیا کہ کاغذ میں تھوک کر کاغذ کو حرم میں ڈال دیا۔ اس قسم کے تمام لوگوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنا حج بدل کرائیں۔ حج بدل جو موجودہ زمانہ میں مُردوں کے لئے عام ہو گیا ہے وہ شریعت میں اصلاً ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

عن الفضل بن عباس ان امرأة من خثعم قالت یا رسول الله ان فریضة الله علی عباده فی الحج۔ ادرکت ابی شیخاً کبیراً

فضل بن عباس کہتے ہیں کہ بنوخثعم کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حج بندوں کے اوپر خدا کا فریضہ ہے

لایستطیع ان یثبت علی الراحلة افاحج عنه. قال نعم۔ و ذٰلك فی حجة الوداع (رواه الجماعة)

میرا ایک بوڑھا باپ ہے، وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں. آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

حج بدل کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی مرگیا ہو اور یہ وصیت کی ہو کہ میری طرف سے حج ادا کر دینا۔ یہ صورت استنباطی طور پر نکلتی ہے

امام مالک کے نزدیک مُردہ کی طرف سے حج بدل اسی وقت ہے جب کہ موت سے پہلے اس نے وصیت کی ہو۔ قال مالك : انما یحج عنه اذا اوصی، اما اذا لم یوص فلا یحج عنه۔ لان الحج عبادة غلب فیه جانب البدنیة فلا یقبل النیابة، فقه السنة، المجلد الاول صفحہ ۶۳۲)

حج ہر صاحب استطاعت پر عمر میں ایک بار فرض ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے (الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة، (بخاری و مسلم) حضرت عمرو بن العاص کی ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

لما جعل الله الاسلام فی قلبی اتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت ابسط یدك فلاُبایعك۔ قال فبسط فقبضت یدی فقال مالك یا عمرو۔ قلت اشترط۔ قال تشترط ماذا۔ قلت ان یغفرلی۔ قال اما علمت ان الاسلام یهدم ماقبله وان الهجرة تهدم ماقبلها وان الحج یهدم ماقبله (رواه مسلم)

جب اللہ نے اسلام میرے دل میں ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے ہاتھ پھیلایا۔ مگر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے کہا اے عمرو ایسا کیوں۔ میں نے کہا کہ میری ایک شرط ہے۔ آپ نے فرمایا، تمہاری کیا شرط ہے۔ میں نے کہا یہ کہ مجھے بخش دیا جائے۔ آپ نے فرمایا، کیا تم کو نہیں معلوم کہ اسلام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور ہجرت پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

حج مبرور کو اکثر لوگ حج مقبول کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا حج جس کے ساتھ گناہ شامل نہ ہو (الحج الذی لایخالطه اثم)

حسن بصری تابعی نے کہا ہے کہ حج مبرور وہ ہے جس سے آدمی اس طرح لوٹے کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کا شوق اس کے اندر پیدا ہوجائے (ان یرجع زاھدًا فی الدنیا راغبا فی الآخرۃ) حقیقت یہ ہے کہ حج کو اگر صحیح شعور اور جذبہ کے ساتھ کیا جائے تو نہ صرف دوران حج آدمی گناہوں سے بچا رہے گا بلکہ اس طرح لوٹے گا کہ ہر برائی سے اس کا دل متنفر ہو اور ہر بھلائی کی طرف اس کے اندر رغبت پیدا ہو چکی ہو۔

میں جب بھی حرم میں گیا تو حجر اسود کے پاس بھیڑ دیکھی اس لئے میں نے حجر اسود تک جانے کی کوشش نہیں کی۔ طواف بھی اشارہ کے ذریعہ کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حجر اسود کی صورت میں اسلام کے اندر بھی ایک بت موجود ہے۔ مگر یہ بات سراسر واقعہ کے خلاف ہے۔

بت (صنم) کس چیز کا نام ہے۔ یہ دراصل خدا کے شرکاء مقرر کرنے کا نام ہے۔ کچھ انسانی یا غیر انسانی ہستیوں کو خدا کا شریک فرض کر لیا جاتا ہے اور ان کی صورت بنا کر انہیں پوجا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی "خدائے واحد" کا کوئی بت موجود نہیں۔ جو قومیں ایک خدائے برتر کے ساتھ بہت سے دوسرے خداؤں کو مانتی ہیں ان کے یہاں صرف دوسرے خداؤں کے بت پائے جاتے ہیں، خدائے برتر کا کوئی بت ان کے یہاں نہیں پایا جاتا کیونکہ بت پرستی لازماً "شرکت" کو چاہتی ہے، شرکت کے بغیر بت پرستی کا کوئی وجود نہیں۔

اسلام میں شرکت کا کوئی تصور نہیں۔ اسی لئے حجر اسود کے ساتھ بھی بت کا کوئی تصور نہیں۔ حجر اسود صرف ایک علامتی پتھر ہے۔ مومن اس پتھر کو چھو کر یا اس کی طرف اشارہ کر کے علامتی طور پر گویا خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ یہ ایک قسم کی براہ راست بیعت ہے، جب کہ دوسری بیعت بالواسطہ بیعت ہوتی ہے۔ حجر اسود خدائے واحد سے عہد کی علامت (Symbol) ہے۔ جب کہ بت خدائے واحد کے سوا دوسرے شریکوں کی شکل (Image) ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حجر اسود کو بت سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے شراب کو خمر کے ہم معنی سمجھ لینا۔ اس سلسلے میں یہاں میں ایک لطیفہ بیان کروں گا۔ ایک بار دہلی میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا: عرب تو کھلم کھلا شراب پیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے حرم کی سیڑھیوں پر لوگوں کو شراب پیتے ہوئے دیکھا" اس عجیب وغریب قسم کی غلط فہمی کا راز میری سمجھ میں اس وقت آیا

جب کہ میں نے حج کیا۔ اصل یہ ہے کہ عربوں میں بند ڈبہ کی مشروبات پینے کا بہت رواج ہے۔ سڑکوں پر جگہ جگہ لڑکے بالٹیوں میں بند ڈبہ کی مشروبات بھرے ہوئے فروخت کرتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں لے لے کر پیتے رہتے ہیں۔

ان ڈبوں میں ایسے ڈبے بھی ہوتے ہیں جن پر موٹے حرفوں میں "شراب" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ شراب کا لفظ موجودہ عربی میں مشروب (Drink) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان ڈبوں میں پھلوں کے رس طبی طور پر تیار کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض ڈبوں میں ایک سے زیادہ چیزوں کے رس ہوتے ہیں ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے شراب فواکہ مشکلہ (Mixed Nectar)۔ جس چیز کو ہندستان میں شراب کہا جاتا ہے اس کو عربی میں خمر کہتے ہیں۔

۱۴۰۲ھ کا حج ستمبر ۱۹۸۲ میں پڑا۔ اس موقع پر تمام دنیا کے مسلمان تقریباً ۲۵ لاکھ کی تعداد میں حرمین کے علاقہ میں جمع ہوئے۔ خوش قسمتی سے میں بھی حج کے اس عالمی اجتماع میں شریک تھا۔ اس موقع پر سب سے زیادہ عجیب چیز جو میں نے دیکھی وہ یہ کہ ان مسلمانوں کے چہروں یا ان کی سرگرمیوں پر اس تازہ حادثہ کا کوئی اثر نہ تھا جو عین انہیں دنوں میں فلسطینیوں کے ساتھ لبنان میں پیش آیا۔ تمام دنیا کے مسلم اخبارات و جرائد ان دنوں اسرائیلی مظالم کی داستانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مگر حج کیلئے جمع ہونے والے مسلمانوں پر بظاہر اس کا کوئی اثر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ وہ بدستور ہنس رہے تھے۔ ان کے چہرے بدستور غفلت اور بے حسی کا نشان بنے ہوئے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کی چہل پہل بدستور اسی طرح جاری تھی جیسے ہر سال ان دنوں میں یہاں جاری رہتی ہے۔

یہ حج ایسے وقت میں پڑا جو بلا شبہہ مسلمانوں کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا سب سے زیادہ نازک وقت تھا۔ ایک ایسی قوم جس کو ہم مردود اور مغضوب سمجھتے ہیں اس نے ایک ایسے مسئلہ میں مسلمانوں کو بدترین شکست دی جس کے معاملہ میں تمام دنیا کے مسلمان بلا اختلاف ہم آواز ہیں۔ یہودیوں نے زبردستی فلسطین پر قبضہ کیا۔ اپنے علاقہ کو کئی گنا حد تک بڑھالیا۔ فلسطینیوں کو نہ صرف ان کے وطن سے بلکہ اطراف کے تمام علاقوں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ ان کی آخری سرحدی قیام گاہ لبنان تھی، یہاں بھی اس نے مسلسل بمباری کے ذریعہ فلسطینیوں کو اس قدر تباہ و برباد کیا کہ وہ اس پر راضی ہو گئے کہ لبنان میں اپنے ہتھیاروں کو چھوڑ کر دور کے علاقوں میں چلے جائیں۔ چند سال پہلے تک دنیا کا کوئی مسلمان اسرائیل کا وجود

تسلیم کرنے پر راضی نہ تھا۔ انور سادات نے ۱۹۷۸ میں کیمپ ڈیوڈ کے معاہدہ کے تحت اسرائیل کے وجود کو تسلیم کیا تو تمام دنیا کے مسلمانوں نے انور سادات کو غدار کہا، حتی کہ اسے قتل کر ڈالا۔ مگر آج فلسطینی مجاہدوں سمیت تمام مسلمان ذہنی طور پر اس کے لئے راضی ہو چکے ہیں کہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلیں۔

ایسی ذلت آمیز شکست مسلمانوں کو اپنی طویل تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئی۔ مگر حج کے عالمی اجتماع میں اس کا کوئی قابل مشاہدہ اثر پانا ناممکن تھا۔ میرے علم کے مطابق صرف یہ واقعہ ہوا کہ کچھ ایرانیوں نے منی کی سڑکوں پر "مرگ بر اسرائیل" کے نعرے لگائے۔ مگر جن لوگوں کو مسلم ممالک کی سیاست کا اندازہ ہے انہیں یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی کہ یہ نعرہ حقیقتہً سعودی حکومت کے خلاف تھا نہ کہ اسرائیلی حکومت کے خلاف۔ یہ مجاہدین اسلام اگر واقعتہً اسرائیل کی ہلاکت چاہتے ہیں تو کیوں نہ انہوں نے اپنی فوجیں لبنان یا اسرائیل کے اندر داخل کر دیں۔ کیوں ایسا ہے کہ وہ مسلم ملک میں داخل ہو کر اسرائیل کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں۔

اس الم ناک صورت حال کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف مسٹر صادق نیہوم نے اپنی ایک گفتگو میں اشارہ کیا۔ صادق نیہوم عربی سمیت چھ زبانوں کے ماہر ہیں اور اس وقت جنیوا میں مقیم ہیں۔ انہوں نے کہا: اسرائیل ہم کو نہیں مارتا، ہم تو پہلے ہی سے مرے ہوئے لوگ ہیں (اسرائیل لم تقتلنا، نحن موتی من قبل)

ہماری قیام گاہ حرم سے بہت قریب شارع ابراہیم الخلیل پر تھی۔ چنانچہ کھانے اور سونے کے علاوہ میرا بیشتر وقت حرم میں گزرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ باب الھجرہ کے پاس زمزم کے پانی سے وضو کرتا اس کے بعد سیر ہو کر زمزم پیتا اور پھر حرم میں داخل ہوجاتا۔ اکثر اوپر کے حصہ میں، کیونکہ اوپر کے حصہ میں زیادہ سکون رہتا تھا۔ وہاں نماز پڑھتا، تلاوت کرتا، کعبہ کو دیکھتا۔ روزانہ گھنٹوں اس طرح گزر جاتے کہ وقت کا کچھ اندازہ نہ ہوتا۔ خواہ کتنی ہی زیادہ دیر ہو چکی ہو، جب لوٹتا تو معلوم ہوتا کہ ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر دل کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

میں چونکہ افریقہ کی طرف سے انٹرنیشنل پاسپورٹ پر یہاں آیا تھا۔ اور عربوں کے ساتھ ٹھہرا تھا، اس لئے ہندستانی حاجیوں سے میری واقفیت نہ ہو سکی۔ البتہ میرے لڑکے

ثانی اثنین نے ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ نورالدین آزاد صاحب (بمبئی) حج کے لئے جارہے ہیں۔ اس لئے ان سے ملنے کی خواہش تھی۔ میں نے کئی دن ادھر اُدھر دیکھا۔ مگر وہ نظر نہ پڑے۔ اور ان کی قیام گاہ کا مجھے علم نہ تھا۔ آخر میں مایوس ہو گیا۔ اور بطور خود سمجھ لیا کہ اب ان سے مکہ میں ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ ۳۰ ستمبر کی شام کو میں حرم میں لیٹا ہوا تھا کہ نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ میں حرم میں داخل ہوا ہوں تو سامنے نورالدین آزاد صاحب کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ واقعہ بعینہٖ اسی صورت میں اگلے دن (یکم اکتوبر کو) پیش آیا۔ میں حرم میں داخل ہو کر ابھی صحن میں کھڑا تھا کہ اچانک نورالدین آزاد صاحب نظر پڑ گئے۔ ان کے ساتھ بمبئی کے کچھ اور حجاج سے ملاقات ہوئی۔

۴ اکتوبر ۱۹۸۲ کی شام ہم نے طواف وداع کیا، اور رات کو مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ کعبہ کا آخری طواف کر کے جب میں حرم سے نکلا تو میری عجیب کیفیت تھی۔ بار بار مڑ کر حرم کو دیکھتا تھا۔ قدم آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور دل پیچھے کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں اپنے وطن اصلی سے نکل کر اپنے دارالھجرت کی طرف جا رہا ہوں۔ اس طرح کی کیفیات کے ساتھ ہم مسجد حرام سے رخصت ہو کر ۴ اکتوبر کی شب کو مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔

مکہ میں حراء وغیرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ بدر، جبل احد، مسجد قبا، جبل جن، وادیٔ عقیق، جنت البقیع وغیرہ مقامات دیکھے۔ مدینہ کی جامعۃ الاسلامیۃ (مدینہ یونیورسٹی) بھی دیکھی۔ وہاں کے اعلیٰ ذمہ داروں (رئیس اور امین عام وغیرہ) سے ملاقات ہوئی۔ یہ سب لوگ الاسلام یتحدی کو پڑھے ہوئے تھے۔ ۹ اکتوبر ۱۹۸۲ کو مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے ایک تقریر ہوئی۔ زیادہ تر ہندستانی اور کچھ عرب طلبہ اجتماع میں شریک تھے۔ تقریر کا موضوع یہ تھا کہ امت مسلمہ کا اصل مقصد دعوت الی اللہ ہے نہ کہ اس قسم کی سیاسی اور قومی سرگرمیاں جو آج تمام مسلم ملکوں میں پائی جا رہی ہیں۔

حرم نبوی میں داخلہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی ایک پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ میری زبان سے یہ دعا نکلی کہ خدایا، میں تیرے رسول پر صلوۃ وسلام بھیجتا ہوں۔ مجھ کو اپنے رسول کی امت میں شامل کر لے۔ مجھ کو ان لوگوں میں لکھ لے جن

کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔ اور جن کی شفاعت کو قبول کرکے آپ انہیں جہنم سے بچالیں گے اور جنت میں داخل کریں گے ــــــ کیسا عجیب ہے وہ دن جو آچکا ہے اور کیسا عجیب ہے وہ دن جو آنے والا ہے۔

۵ اکتوبر ۱۹۸۲ کو ہم مدینہ پہنچے۔ راستہ میں بدر اور دوسرے مقامات ملے۔ مگر آج کا "بدر" بس نام کا بدر ہے۔ اس کو دیکھ کر حافظہ کے خانہ میں ضرور یہ تصور جاگتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام اور غیر اسلام کی پہلی فیصلہ کن جنگ لڑی گئی تھی۔ مگر موجودہ بدر کا ظاہری ماحول اس کی تصویر پیش کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ تاہم بعض شہداء بدر کی قبریں اب بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔

مدینہ میں ہمارا قیام مسجد نبوی کے بالکل قریب ایک ہوٹل میں تھا۔ اذان اور تکبیر تک کی آواز ہمارے کمرہ میں پہنچتی تھی۔ کئی دن تک مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ مگر نمازیوں کا ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ بمشکل کسی کو سکون اور توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ مکہ کے قیام کے ابتدائی دنوں میں میرے ساتھ یہی صورت پیش آئی تھی۔ اس کے بعد میں مسجد حرام کی اوپر کی منزل پر نماز پڑھنے لگا۔ وہاں مجھے کافی سکون رہتا تھا۔ مسجد نبوی کو معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر دو منزلہ نہیں بنایا گیا کہ میرے جیسا کوئی آدمی وہاں پناہ لے سکے۔

مسجد نبوی غیر معمولی طور پر وسیع اور شاندار ہے۔ مگر زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد نے، تمام وسعتوں کے باوجود اس کو ناکافی بنا دیا ہے۔ تاہم میرے جیسے آدمی کے لئے یہ منظر کوئی خوشگوار منظر نہ تھا کہ مسجد نبوی کے اطراف کو دکانوں اور ہوٹلوں نے گھیر رکھا ہے۔ صرف ایک طرف کا حصہ دکانوں اور ہوٹلوں سے خالی ہے جس کے اوپر خیمہ نما تعمیرات نمازیوں کے لئے کھڑی ہوئی ہیں۔ کاش مسجد کے چاروں طرف کھلا ہوا میدان ہوتا تو مسجد کی عظمت زیادہ نمایاں ہوتی۔

آج کے مدینہ میں قدیم زمانہ کے مدینہ کا کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا۔ آج کا مدینہ بس جدید طرز کی عمارتوں کا ایک شہر ہے۔ تاہم وہ جدید طرز کی شہری منصوبہ بندی کی خصوصیات سے خالی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نو تعمیر عمارتوں کا ایک جنگل ہے جو عدم تخطیط کی زمین پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ غالباً اسی عدم تخطیط یا سوء تخطیط کا یہ نتیجہ ہے کہ مسجد نبوی

کے چاروں طرف اس کے شایان شان زمین خالی چھوڑی نہ جاسکی۔

یہی حال مکہ کا ہے اور یہی حال مدینہ کا، مکہ اور مدینہ دونوں اسلامی تاریخ کے اہم ترین مقامات ہیں۔ سو سال پہلے یہاں کثرت سے تاریخی آثار موجود تھے۔ مگر اصلاحی مجاہدین نے ان تمام آثار کو بدعت کے مقامات قرار دے کر مٹا دیا۔ ہمارے مصلحین کو واقعہ کا صرف ایک پہلو معلوم تھا۔ یہ کہ یہاں بعض جاہل قسم کے لوگ بدعتی افعال کرتے ہیں۔ انہیں اس کی خبر نہ ہوسکی کہ یہ اسلامی تاریخ کے زندہ نشانات ہیں۔ اور ان کو مٹا کر وہ اسلامی تاریخ کو اس کے ایک قیمتی جزء سے محروم کر رہے ہیں جس کی تلافی کبھی ممکن نہ ہوگی ــــــ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں علمی ذوق کی کمی نے اسلام کو کیسے کیسے نقصانات پہنچائے ہیں۔

۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ کو حج کے مناسک کی تکمیل ہوئی۔ اور ہم دوبارہ مکہ واپس آئے۔ مطابع دار الثقافہ (مکہ) کی طرف سے ہر سال حاجیوں کے اعداد و شمار شائع کئے جاتے ہیں۔ اس کے اعلان کے مطابق اس سال (۱۴۰۲ھ) سعودی عرب کو چھوڑ کر دوسرے تمام ممالک سے آنے والے حاجیوں کی کل تعداد ۸۵۳۵۵۵ تھی۔ زیادہ تعداد والے چند ملکوں کے نام یہ ہیں:

۰۱	مصر	۹۸۴۰۸
۰۲	ایران	۸۹۵۰۳
۰۳	نائیجیریا	۸۱۱۲۸
۰۴	پاکستان	۷۲۸۴۴
۰۵	انڈونیشیا	۵۷۴۷۸
۰۶	ترکی	۵۳۷۸۸
۰۷	الجزائر	۴۰۴۰۰
۰۸	شام	۲۷۸۹۰
۰۹	ہندستان	۲۶۲۲۹

سعودی حکومت کے بے شمار انتظامات نے موجودہ زمانہ میں حج کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ تاہم ایک چیز ایسی ہے جس کا اس کے پاس شاید کوئی حل نہیں۔ اور

وہ حاجیوں کا ہجوم ہے۔ خاص طور پر شیطان کو پتھر مارنے کے موقع پر لوگ جس طرح ایک دوسرے کے اوپر ٹوٹتے ہیں وہ انتہائی حد تک افسوس ناک ہے۔ بے شمار انسان بیک وقت شیطان کو مارنے کے لئے اس طرح ہجوم کرتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامتی شیطان کو کنکری مارنے کا انہیں اتنا جوش ہے کہ اس کی خاطر وہ حقیقی انسان کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ خدا کے ایک حکم کی تعمیل کے شوق میں خدا کے دوسرے حکم کو نظر انداز کرنے کی اس سے زیادہ بری مثال اب تک میں نے اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھی تھی۔ کئی آدمی ایسے نظر پڑے جن کے ہاتھ یا پاؤں میں پلاسٹر بندھا ہوا تھا۔ ایک منظر یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ رمی کے وقت ایک حاجی گر پڑا اور حاجیوں کے قدموں کے نیچے کچل کر ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس طرح کے واقعات ہر سال ہوتے رہتے ہیں۔ کیسا عجیب ہے وہ حج جس میں انسانی دشمن کی ایک علامت کو مارنے کے جوش میں خود انسان کو مار ڈالا جائے۔

حج ایک قسم کا تجدید ایمان ہے۔ حج سے پہلے کا ایمان گویا ایک موقت ایمان ہے۔ اس کے بعد مومن جب مکہ پہنچتا ہے اور لبیک لبیک کہہ کر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہے۔ وہ براہ راست خدا سے "بیعت" ہوتا ہے۔

حج کے بعد گناہوں کی معافی عین اس قانون کے تحت ہے جو قبولیت اسلام سے متعلق ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آدمی کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بندے کے ساتھ یہ معاملہ ایمان اول کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایمان ثانی کے بعد گویا اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایمان اول اگر بالواسطہ ایمان تھا تو ایمان ثانی براہ راست ایمان ہے۔ معذوری کی حالت میں ایمان اول ہی خدا کی رحمت سے آدمی کے گناہوں کی معافی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ مگر صاحب استطاعت کے لئے ایمان ثانی کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ شاید اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی حج ادا کئے بغیر مر جائے تو خدا کو اس کی پروا نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرا یا نصرانی ہو کر مرا (من ملك زادًا وراحلةً تبلغه حج بيت الله الحرام ولم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا، رواه الترمذي والبيهقي)

حقیقت یہ ہے کہ حج تمام عبادتوں کا سردار ہے۔ کعبہ کا جو درجہ دوسری مسجدوں کے درمیان ہے وہی درجہ حج کا دوسری عبادتوں کے درمیان۔

آپ کے نام

مکرمی و محترمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلامی مرکز کی ابتدا نومبر ۱۹۷۰ میں ہوئی۔ ۱۹۷۶ میں ماہنامہ الرسالہ جاری ہوا۔ اور مکتبہ الرسالہ قائم ہوا۔ ان کا خاص مقصد اسلامی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ کام اردو زبان میں کامیاب طور پر جاری ہے۔ فکری طور پر اسلامی مرکز کا فکر سب سے زیادہ غالب فکر بنتا جارہا ہے۔ یہ مشن اب ملکی حدود سے گزر کر بین اقوامی حدود میں داخل ہو چکا ہے۔

اب یہ طے کیا گیا ہے کہ اسلامی مرکز کے منصوبہ کے تحت مزید شعبوں کو بھی باقاعدہ طور پر قائم کیا جائے۔ مثلاً دار التصنیف، دار الترجمہ، جدید طرز کی اسلامی درس گاہ، داعیوں کی تربیت کا کورس، مختلف زبانوں میں پریس، مکمل اسلامی لائبریری۔ تربیتی اور تبلیغی ادارہ، الرسالہ کا انگریزی اور عربی اڈیشن، مکتبہ الرسالہ کی کتابوں کی دوسری عالمی زبانوں میں اشاعت وطباعت کا انتظام، وغیرہ

اس جامع منصوبہ کو بروئے کار لانے کے لئے کثیر وسائل کی ضرورت ہے۔ وسیع عمارت، کارکنوں کی ایک ٹیم اور دوسرے ضروری وسائل کے بغیر یہ کام نہیں کیا جاسکتا۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے ہم کو آپ کے خصوصی مالی تعاون کی شدید ضرورت ہے۔

ہماری آپ سے اپیل ہے کہ آپ خود بھی اس مالی تعاون میں حصہ لیں اور اپنے حلقۂ تعارف میں دوسروں کو بھی اس اہم ترین دینی کام میں حصہ لینے پر آمادہ کریں۔

واضح ہو کہ اسلامی مرکز میں ہر نوعیت کے مختلف شعبے ہیں۔ اور ان کے لئے عام عطیات وتعاون کے علاوہ زکوٰۃ وصدقات کی مدکی رقمیں بھی بھیجی جاسکتی ہیں۔ رقم بھیجتے ہوئے براہِ کرم اس کی مدکی صراحت فرمائیں۔

اسلامی مرکز کا مقصد دور جدید میں اسلام کا احیاء اور ملت اسلامی کی تعمیر ہے۔ بلاشبہ یہ وقت کا اہم ترین کام ہے۔ ہم کو پوری امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ مالی تعاون کریں گے اور اپنے بس بھر اس میں پوری شرکت فرمائیں گے۔

وحید الدین خاں، صدر اسلامی مرکز
دفتر الرسالہ، جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں ، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں ۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں ۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی ۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے ۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں ۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے ۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے ۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے ۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے ۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں ۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں ۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں ۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے ۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے ۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے ۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں ۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کر کے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں ۔ اس اسکیم کے تحت شخص ایجنسی لے سکتا ہے ۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا ۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں ۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے ۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں ۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں ، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں ۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں ۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

Regd. D(DN) No. 532

July 1983
Issue No. 80

AL-RISALA MONTHLY

Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi - 110 006 (India)
Telephone : 232231, 526851

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱ - تذکیر القرآن جلد اوّل ہدیہ ۵۰/-
۲ - الاسلام ۱۵/-
۳ - مذہب اور جدید چیلنج ۲۰/-
۴ - ظہورِ اسلام ۲۰/-
۵ - احیاءِ اسلام ۱۲/-
۶ - پیغمبرِ انقلاب ۲۰/-
۷ - دین کیا ہے ۲/-
۸ - قرآن کا مطلوب انسان ۵/-
۹ - تجدیدِ دین ۳/-
۱۰ - اسلام دینِ فطرت ۳/-
۱۱ - تعمیرِ ملّت ۳/-
۱۲ - تاریخ کا سبق ۳/-
۱۳ - مذہب اور سائنس ۵/-
۱۴ - عقلیاتِ اسلام ۳/-
۱۵ - فسادات کا مسئلہ ۲/-
۱۶ - انسان اپنے آپ کو پہچان ۱/-
۱۷ - تعارفِ اسلام ۲/۵۰
۱۸ - اسلام پندرھویں صدی میں ۲/-
۱۹ - راہیں بند نہیں ۳/-
۲۰ - ایمانی طاقت ۳/-
۲۱ - اتحادِ ملّت ۳/-
۲۲ - سبق آموز واقعات ۳/-
۲۳ - زلزلۂ قیامت ۴/-
۲۴ - حقیقت کی تلاش ۳/-
۲۵ - پیغمبرِ اسلام ۲/-
۲۶ - منزل کی طرف ۶/-
۲۷ - حقیقتِ حج (زیرِ طبع)
۲۸ - Mohammad The Ideal Character 3/-

تعارفی سٹ

۲۹ - سچا راستہ ۱/-
۳۰ - دینی تعلیم ۳/-
۳۱ - حیاتِ طیّبہ ۲/۵۰
۳۲ - باغِ جنّت ۳/-
۳۳ - نارِ جہنّم ۳/-

مکتبہ الرسالہ ☐ جمعیّۃ بلڈنگ ☐ قاسم جان اسٹریٹ ☐ دہلی ۶